ڈوبتے سائے

مصنّف

عادل رشید

مطبوعات
مرکز ادب
۵ رائل پارک — میکلوڈ روڈ — لاہور

قیمت ــــ تین روپے آٹھ آنے

اے، ایچ راشد پرنٹر پبلشر نے نذیر پرنٹنگ پریس سرکلر روڈ
سے چھپوا کر دفتر "مرکز ادب" لاہور سے شائع کیا۔

چھوٹے بھائی کے نام

تمہارے گرد ہیں چاروں طرف زنداں کی دیواریں
میرے سر پر مسلّط ہیں غمِ فرقت کی تلواریں

الطاف راشد

اس ناول میں شائع ہونے والے سب مضامین کے نام
کردار فرضی ہیں ——— کسی کردار کا
کسی حقیقی شخص سے مطابقت کھا جائے تو محض
اتفاق سمجھیں۔ اس کے لئے پرنٹر پبلشر مصنف
پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ۔

باب اوّل — تعداد ایک ہزار

دیباچہ

سایۂ آلام

آنسو نہ ڈھلے سایۂ آلام سے پہلے
چمکے نہ ستارے یہ کبھی شام سے پہلے

افسانۂ باطل کی طرح بھول چکا ہوں
جو کچھ بھی سنا میں نے ترے نام سے پہلے

ڈوبے ہوئے تارے بھی نکل آتے ہیں شب کو
کیوں ڈوب رہا ہے مرا دل شام سے پہلے

یہ نالہ و فریاد تو ہیں بعد کی باتیں
آنسو نکل آتے ہیں ترے نام سے پہلے

ایسا بھی اے ارمان محبت میں ہوا ہے
وہ خود ہی چلے آئے ہیں پیغام سے پہلے

ارمان عثمانی

کار کی رفتار اب چالیس میل سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اور سرتیا اسٹرنگ پر بیٹھی کسی گہرے خیال میں غرق تھی۔ وُہ سوچ رہی تھی اب سے بہت پہلے کے واقعات اور بھیتی بچھلی یادوں کے تانے بانے میں اس کا دماغ الجھا ہوا تھا۔

اب سے تیرہ چودہ سال پہلے کی باتیں اس کے دماغ میں چکر لگا رہی تھیں وُہ صرف چار پانچ سال کی ایک معصوم سی بچی تھی۔ اور ایک خاموش سا سہما سمٹا بچہ اس کا ساتھی تھا۔ برجوہن کی عمر صرف چھ سات سال کی ہی ہوگی وُہ قصبہ بھر کے بچوں میں سب سے زیادہ علم اور بردبار اور سنجیدہ تھا خاموش سا سمٹا بچہ جب قصبہ کے بچے ایک ساتھ مل کر آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتے تو اکثر برجوہن ہی ان کی تفریح کا باعث بنتا بچے اسے اتنا چڑاتے اور تنگ کرتے کہ وُہ منہ بسور کر رونے لگتا۔ برجوہن کا بچہ آدا کھاٹے تجیا ایک لڑکا اسے چھیڑتا۔"

دوسرا چیڑکا

تیرے آٹے میں نون، تجھے پوچھے گا کون۔

"اور پھر سب بچے مل کر تالیاں بجاتے اس کے گرد ناچتے اور شور مچاتے

تیرے آٹے میں نون تجھے پوچھے گا کون تیرے آٹے میں نون"

اور وہ اسے اتنا چھیڑتے اور اتنا تنگ کرتے کہ وہ منہ بسور کر رونے لگتا اور اس کے رونے پر یہ شریر بچے اسے اور چڑاتے اور تنگ کرتے کسی کو بھی اس کے موٹے موٹے آنسوؤں پر ترس نہ آتا۔

وہ روتا روتا اپنی ماں کے پاس آتا اور اسے اپنے کلیجے سے لگا کر پیار کرتی اپنی میلی ساڑھی کے آنچل سے اس کے آنسو پونچھتی اور اسے پچکارتی

تو رونے کیوں لگتا ہے آخر بچے تو ہوتے ہی شریر ہیں بھلا تو ہی بتا کہ میں تیری خاطر کس سے لڑتی پھروں"

اور وہ اسے اپنے سینے سے بھینچ لیتی۔"

"اچھے بچے رویا نہیں کرتے۔"

اور پھر تھوڑی دیر بعد بدھو کے آنسو بالکل خشک ہو جاتے اور وہ ہشاش بشاش دکھائی دینے لگتا۔

"اب تو مت جائیو ان لوگوں کے ساتھ کھیلنے۔"

اس کی ماں اسے قصبہ کے شریر بچوں کے ساتھ کھیلنے کی فہمائش کرتی اور وہ بڑی معصومیت سے کہتا۔"

مگر ماں سریتا مجھے بالکل تنگ نہیں کرتی وہ بڑی اچھی ہے۔

تیرا اس کا کیا ساتھ بیٹا وہ بڑے آدمی کی بیٹی ہے اس کا باپ جاگیر دار ہے اور تو۔"

"اور میں کیا ہوں ماں۔؟"

"تو ایک غریب کاشتکار کا بیٹا ہے پوت"۔ اس کی ماں بڑی حسرت سے کہتی۔ "وہ راجہ ہے اور تو پرجا۔" اور پھر وہ!

اور پھر اسے وہ ان بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے کا مشورہ دے کر گھر کے کام دھندوں میں لگ جاتی۔

مگر برجموہن دوسرے ہی دن بلکہ اس کے گھڑی دو گھڑی بعد ہی پھر اپنے ساتھیوں میں گھل مل جاتا۔ اپنے ننھے منے ساتھیوں کی طرف کبھی اس کے دل میں میل نہ آتا تھا۔ وہ ان کی ہر بات بھول جاتا انہیں دل سے معاف کر دیتا۔

تمام بچوں میں سرِیتا ہی ایسی لڑکی تھی جس کا دل کبھی کبھی برجو کی اس سادگی اور معصومیت پر پسیج جاتا اور وہ اس کی دل جوئی کرنے کی دل میں ٹھان لیتی اکثر و بیشتر جب قصبہ کے تمام شریر بچے لڑکے اور لڑکیاں اسے ٹھکرا دیتیں تو سرِیتا تنہا اس کے ساتھ کھیلنے کا پروگرام بنا لیتی۔

وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتی اور اپنی حویلی کے پاس باغ میں اس کے ساتھ جھولا جھولتی۔ آنکھ مچولی کھیلتی۔ گڑیوں کا کھیل ہوتا۔ بھاگ دوڑ ہوتی اور معصوم قہقہوں سے ساری فضا معطر ہو جاتی۔

سرِیتا اپنے نوکروں سے کہہ دیتی کہ برجو کے لئے ڈالی پر پکے ہوئے میٹھے توت لائے۔ اسے اپنے باغ سے پکے انار توڑ کر دیتی۔ اور اس کے ساتھ روٹی پر بہت سا مکھن رکھ کر کھلاتی اور اپنے کمرے میں لے جاتی اور کمرے میں شیشے کی الماری سے نکال

کہ اسے بھیجے جاپانی کھلونے دیتی۔ اور وہ دونوں ایک ساتھ ان کھلونوں سے گھنٹوں کھیلا کرتے۔ برجو سرتیا سے خوش ہو کر چہک اٹھتا۔ کہتا۔

"جب میں بڑا ہو جاؤں گا۔ تو تمہارے لئے تالاب سے کنول کے کنول توڑ کر لایا کروں گا۔ اور تم پھولوں کے ہار بنا لیا کرنا۔

اور سرتیا بڑے بھولے پن سے برجو سے پوچھتی۔

"کہ تم کب بڑے ہو جاؤ گے!

اور برجو معصومیت سے جواب دیتا۔

"جب میں اپنے ابا جتنا بڑا ہو جاؤں گا۔"

اور سرتیا برجو کی اس بات سے مطمئن ہو کر کہتی۔

"اچھا"

اور پھر وہ دوبارہ کہتی۔

"تم جلدی بڑے ہو جاؤ نا۔"

اور برجو کہتا۔

"میں دو دن میں جب سو کر اٹھوں گا تو تم دیکھ لینا کہ میں کتنا بڑا ہو گیا ہوں"

اور سرتیا اس دو دن کے سو کر اٹھنے کا انتظار کرنے لگتی۔

البتہ سرتیا کے پتا جی اور اس کی ماتا جی برجو کو اس طرح اپنے گھر میں گھل مل کر کھیلتا ہوا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ سوچتے کہاں ان کی بیٹی اور کہاں یہ ایک ادنیٰ درجے کے کاشتکار کا چھوکرا وہ اکثر برجو کو سرتیا کے ساتھ کھیلتا ہوا دیکھ کر ڈپٹ دیتے۔

"ابے چل بھاگ یہاں سے اکھوری بچہ دو ٹکے کا چھوکرا۔"

اور ان کی اس ڈانٹ پر معصوم بچہ کا دل دہل جاتا اور وہ کھسیانہ سا ہو کر منہ بنا لیتا سہم جاتا اور پھر آہستہ سے سرتیا سے کہتا — اچھا تو میں جاتا ہوں۔ کل پھر آؤں گا۔"

اور اس کے جواب میں سرتیا سراسیمہ سی ہو جاتی اور اس کا ننھا سا دل درد سے کراہ اٹھتا۔ اور وہ اپنے کھلونے سمیٹتے ہوئے کہتی۔

"اچھا۔"

اور معصوم بچہ سرتیا اور کھلونے پر ایک حسرت بھری نظر ڈال کر چوہوں کی طرح دبے پاؤں حویلی سے باہر آجاتا۔

وہ راستہ بھر سوچتا ہوا آتا۔

سرتیا کے پتا جی اور ماتا جی اسے اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھتے ہیں اور پھر جب وہ اپنے گھر لوٹ کر آتا تو اپنی ماں سے سوال کرتا۔

ماں۔ سرتیا کے پتا جی اور ماتا جی مجھے گھورتے کیوں ہیں! سرتیا تو مجھے کبھی نہیں گھورتی"، اور اس معصوم بچے کے انجانے سوال پر اس کی ماں کراہ کر جواب دیتی ۔"

بیٹا۔ میرے لال۔ سرتیا راجہ کی بیٹی ہے۔ اس کا باپ اس قصبہ کا مالک ہے۔ وہ لوگ بڑے آدمی ہیں۔ اور ہم لوگ غریب ہیں۔ ہم لوگ رعایا ہیں۔ تو ایک غریب کا بیٹا ہے۔ تیرا باپ ایک چھوٹا سا کسان ہے۔"

اور ماں سے اس لمبے چوڑے جواب کو نہ سمجھتے ہوئے وہ پوچھتا۔

ماں! ہم لوگ غریب کیوں ہیں۔ اور یہ سرتیا کا باپ بڑا آدمی کیسے ہے اسے ہم سب کا مالک کس نے بنایا ہے بھلا۔"

"بھگوان نے" اس کی ماں جواب دیتی۔

مگر بھگوان نے سرتیا کے باپ کو بڑا آدمی کیسے بنا دیا ہمیں اس نے کیوں بڑا آدمی نہیں بنایا؟

یہ بھگوان کی مرضی ہے بیٹا۔"

"یہ بھگوان کی مرضی کیا ہوتی ہے؟"

"کچھ نہیں" اس کی ماں بچے کے اس سوال پر لاجواب ہو کر کہتی

"اچھا چل۔ کچھ کھا پی لے۔ ابھی مجھے تیرے پتا کے لئے چھاچھ لے کر کھیت پر جانا ہے"

سرینا سوچ رہی تھی کہ پھر آٹھ سال اور گزر گئے کہ اس کی کار ایک لمبے
سے گڑھے میں پڑ کر زور سے اچھلی۔ اور وہ اس اچانک جھٹکے کی تاب نہ
لا کر چونک پڑی۔ اس کے خیال کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اور اب اس نے
آگے بڑھ کر غور سے دیکھ کر کار چلانی شروع کر دی۔ اور پھر کچھ دیر بعد
اس کی کار کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات کا سلسلہ پھر سے
شروع ہو گیا۔

وہ اپنے قصبہ کے گرلز ہائی سکول میں ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ اور برجموہن جو ایک بہیلا سا ڈرپوک اور لاغر قسم کا بچہ نہیں تھا انٹرنس میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ بے حد ذہین طالب علم تھا۔ بڑا زیرک اور بڑا سمجھدار، پڑھنے لکھنے کا اسے حد سے زیادہ شوق ہے۔ اور اس نے اسی شوق کو دیکھ کر اس کے غریب ماں باپ نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ضرور تعلیم دلائیں گے خواہ اس کے لئے انہیں اپنے پیٹ پہ پتھر کیوں نہ باندھنا پڑے۔ خوشامد اور خوشامد کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کی پوری فیس معاف کرا لی تھی۔

ان کا بیٹا سکول جاتا تھا جبکہ اس کے ہم عمر بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ کھیت کھلیان میں اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ غریبوں میں اتنی استطاعت ہی نہیں ہوتی ہے کہ وہ مہنگی تعلیم کا بوجھ برداشت کر سکیں۔

سرتیا اور برجموہن کی دوستی اب بھی تھی۔ وہ اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ کبھی کبھار کھیلا کودا کرتے تھے۔ اور پھر ان بیچاروں کی ابھی عمر ہی کیا تھی سرتیا تیرہ سال کی تھی اور برجموہن سولہ سال کا تھا۔ مگر اب فرق یہ ہو گیا تھا کہ برجموہن کو اپنی زندگی اور سرتیا کی زندگی میں فرق نظر آنے لگا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھنے اور محسوس کرنے لگا تھا کہ سرتیا قصبہ کے مالک کی لڑکی ہے وہ یہ جانتا تھا کہ سرتیا ایک بہت بڑے آدمی کی بیٹی جس کے پاس بیس گاؤں ہیں گاؤں میں بے تحاشہ دبدبہ ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سرتیا کا باپ اپنے آپ کو گاؤں کے اور تمام دوسرے آدمیوں سے معزز سمجھتا ہے وہ جانتا تھا کہ سرتیا کا باپ گاؤں کے کسی فرد کو منہ لگانا پسند نہیں کرتا اس کی ہر چال میں رعونت ہے اور اس کی ہر نگاہ اپنے سے دوسرے کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہے۔

اور اسی لئے سرتیا کے معاملے میں وہ محتاط ہو گیا تھا۔

رجموہن کی طبیعت میں ابھی سے خودداری تھی، خوداعتمادی تھی اور اسی لئے وہ قدم پھونک پھونک کر رکھنے کا عادی بنتا جا رہا تھا کسی ایسی جگہ وہ نہ جاتا جہاں اسے یہ خدشہ ہوتا کہ وہاں اسے جانے سے اسکی خودداری کو ٹھیس پہنچے گی وہ کسی ایسی محفل میں شریک نہ ہوتا۔ جہاں اسے بات کا دھڑکا ہو کہ وہاں جانے سے اسکی سبکی ہوگی لوگ اسے ایک غریب کاشتکار کا بیٹا سمجھ کر حقارت کی نظروں سے دیکھیں گے یا وہاں اس کے لباس پر اس کے رہن سہن پر نکتہ چینی ہوگی۔ اسے اپنی حیثیت کا علم تھا اور اپنے غریب والدین کی عزت کا احساس اسے اس کی عمر سے دوچند ہو گیا تھا مگر پھر بھی سولہ سال کی عمر بھی کیا تھی۔ بچہ تو آخر بچہ ہوتا ہی ہے۔ ایک دن وہ شامت اعمال سے سریتا کی ضد پر اس کے گھر چلا گیا۔

سریتا کی حویلی آج خوب سجی ہوئی تھی۔ سریتا کی سالگرہ کا جشن تھا اور قصبہ کے تمام مہمان سیٹھ، ساہوکار، فیکٹریوں کے مالک، تحصیلدار، تھانیدار، داروغہ اور یہاں تک کہ کلکٹر صاحب بھی بہ نفس نفیس تشریف لائے تھے۔ شہر سے رائے صاحب ملک چند کے امیر دوست اور رشتہ دار بھی آئے تھے

بینڈ بج رہا تھا۔ زرق برق ملبوسات سرسرا رہے تھے انواع و اقسام کی چیزوں سے معزز مہمانوں کی خاطر تواضع کی جا رہی تھی کہ غریب رجموہن بن بلائے مہمان کی طرح پہنچ گیا۔

پہلے تو وہ رائے صاحب کی حویلی کے باہر ہی ٹھٹکا۔ مگر پھر ہمت کر کے اندر چلا گیا خوبصورت ہرے بھرے سبزہ پر آرام دہ اور پر تکلف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں مخمل کے رنگین صوفے بچھے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی خوشنما میزیں بچھا ہوئی تھیں اور خدام دست بستہ ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

میزوں پر شربت، فواکہات، اور مٹھائیاں چنی ہوئی تھیں۔ رنگ برنگ کے بلوریں گلاس، جگ، صراحیاں جھلملا رہی تھیں۔

کیک، پیسٹریز، اور بسکٹیں، نمکین سموسے نہ جانے کیا کیا تھا

اور اس جگہ پہنچ کر غریب لڑکا بھوچکا سا ہو کر رہ گیا۔ جیسے کوئی انجان آئینہ خانے میں آ گیا ہوا اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کہ وہ بھری محفل یا بیچ بازار میں ننگا ہو گیا ہو۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ سب کے سب ہنستے لوگ بھی وہاں موجود ہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس پر تمسخرانہ انداز سے ہنس رہے ہیں۔

غیر ارادی طور پر معصوم بچے کی نظریں اپنے پاؤں پر پڑیں۔ وہ غریب ایک حقیر سی چپل پہنے ہوئے تھا۔ اور اب اس کی نظریں اٹھ نہیں رہی تھیں اور اسی جگہ پرانی پیوند لگی ہوئی چپل پر اس کی نظریں الجھ کر رہ گئیں۔ ٹانکے جیسی اپنی ہنسی نکالے اس کا مذاق اڑا رہے ہوں، اور اپنی چپل کے موٹے موٹے ٹانکوں کے درمیان اسے اپنی خودداری دم توڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔

اتنے میں رائے صاحب کے بلند اقبال صاحبزادے پرکاش کی نظر اس غریب پر پڑی وہ اپنی پیشانی پر جھنجھلاہٹوں اور نفرتوں کے جال پھیلائے اس پر ٹوٹ پڑے۔

"کیوں بے کمینے یہاں کیا کر رہا ہے تو"

رجو نے بڑی بیچارگی اور بے کسی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔ جیسے کہ وہ ان سے کچھ کہہ رہا ہو۔

"لالچی میں ہرگز نہیں تھا۔ مگر کیا کروں یہ مصیبت میں میرے گلے پڑ گئی۔ اس بار رحم فرما چھوڑ دیجئے۔ آئندہ ایسی شکایت نہ ہونے پائے گی۔"

مگر وہ فرعون صفت باپ کے فرعون صاحبزادے بھلا ان نزاکتوں کو کہاں سمجھنے والے تھے آگ بگولہ ہو کر گرجے "نالی کے رینگنے والے ذلیل کیڑے۔ تیری اتنی ——

"آپ اپنی آنکھوں کا علاج کرایئے پرکاش بابو" برجموہن اب اپنے ہوش میں آچکا تھا "انسان آپ کو کیڑا نظر آنے لگا۔"

اس نے ایک بھرپور نفرت کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا۔ اور وہ اپنا ہونٹ کاٹتا ہوا جانے کو واپس مڑا ہی تھا کہ پرکاش نے طیش میں آکر اس کے بازو کو زور سے جھٹکا دیا۔

"ذلیل کتے تیری اتنی مجال۔ ہمارا ہی کھاتا ہے اور ہمیں پر غراتا ہے۔"

پرکاش نے یہ کہتے ہوئے برجموہن کو مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اس نے پرکاش کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بولا

"سریتا نے مجھے دعوت دی تھی ورنہ میں"

اور وہ رو پڑا۔ دل کے خون ہو جانے پر آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور اس کے دماغ میں انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کی دونوں کنپٹیاں گرم ہو گئی تھیں۔

کہ اتنے میں سریتا آگئی۔ اور وہ آتے ہی اپنے بڑے بھائی پر برسنے لگی۔

"بھیا! تمہیں کیا حق ہے کہ تم میری دعوت میں میرے بلائے ہوئے مہمان کی بے عزتی کرو۔ برجموہن کو میں نے ضد کر کے بلایا تھا۔ ورنہ وہ کبھی تھوکتا بھی نہ یہاں آکر۔"

"تمیز سیکھو سریتا" پرکاش دم کٹے ہوئے سانپ کی طرح تڑپا۔

"تمیز اور تم سے! ہونہہ ——

سریتا زور سے چیخی۔

"تم مجھے تمیز سکھاؤ گے۔"

لوگ جمع ہو گئے اور رائے صاحب نے پوچھا۔

"بات کیا ہے آخر؟"

"کوئی بات نہیں۔" سریتا رو کر بولی۔ "بھیا کو مجھے ذلیل کرنے میں مزہ آتا ہے۔"

"غلطی میری تھی بڑے سرکار۔" برجموہن نیچی نظریں کئے ہوئے بولا۔

"مجھے یہاں آنا ہی نہ چاہیے تھا۔"

"اوہ!" رائے صاحب نفرت سے منہ بنا کر بولے۔

"سمجھا۔"

اور یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ سریتا نے برجموہن کی بہتری منت سماجت کی مگر وہ نہ رکا اس نے کہا نہیں سریتا۔ میں غریب باپ کا بیٹا ضرور ہوں۔ مگر عزت میری بھی ہے اور بڑے آدمیوں کے بازار میں غریب کی عزت ہمیشہ نیلام ہوتی ہے۔ نہ جانے کیوں میں یہاں آتے وقت یہ بات بھول گیا تھا۔ برجموہن نیچی نظریں کئے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا اسے اپنا ایک ایک قدم سو سو من کا معلوم ہو رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے بیشمار تمسخر آمیز نگاہیں اسکا پیچھا کئے ہوئے ہیں اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود ان ظالمانہ نگاہوں کی نفرتوں سے اپنے وجود کو دور نہیں کر سکتا یہ نگاہیں جیسے مقناطیس بنی ہوئی اسے اپنے گرد سمیٹ رہی ہوں۔

اس کے کانوں میں سناٹے سما گئے تھے اور اس کا دماغ گرم گرم مادے کی طرح لمحہ بدلمحہ بدار رہا تھا۔ اور اس کا دل جیسے ٹوٹ کر کسی اندھیرے غار میں دور تک گرتا جا رہا ہو۔ جیسے کہ وہ کسی ایسے سمندر میں ڈوب رہا ہو جسکی تھاہ قیامت تک نہ مل سکے۔ اور سکون اسے قیامت تک میسر نہ ہو۔

اور اس کے اس طرح دل برداشتہ ہو چلے جانے کے بعد سریتا منہ لٹکائے ہوئے سب کی نظروں سے بچتی بچاتی اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ بند کر کے وہ اوندھے منہ اپنی مسہری پر گر پڑی۔ روتی خوب روئی۔ اور اتنا روئی کہ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آنسو اس کی آنکھوں میں جذب ہو گئے۔

ربیع کی فصل بالکل خراب ہو گئی تھی۔ کھیتوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پالا مار گیا تھا۔ اتنی شدت کی سردی اس سال پڑی تھی کہ دور دور تک کھیتوں میں ہریالی کی جگہ برف ہی برف جمی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ میلوں جیسے کسی نے سفید چادر بچھا دی ہو۔

کسانوں میں بڑا ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ غریبوں کے چہرے اترے ہوئے تھے ان کی ساری محنت پر پانی پڑ گیا تھا۔ اور تو اور اکثر غریب کاشتکاروں کے تو ہوش تک اسی ظالم سردی کی نذر ہو گئے تھے۔ اور اب ان کے پاس یہ سہارا بھی نہ رہا تھا کہ وہ اپنی اگلی فصل پر جوت بو سکیں گے۔

اور اس قہر خداوندی میں غریب بنواری کا ایک بیل بھی جو قدرے کمزور اور لاغر تھا اپنے ساتھی کو یک و تنہا چھوڑ گیا تھا۔

کسانوں نے مل جل کر فیصلہ کیا کہ وہ زمیندار صاحب سے اس برے وقت میں

امداد طلب کریں گے ان سے کہیں گے کہ وہ نہ صرف اس فصل کا لگان معاف کر دیں بلکہ اگلی فصل کے لئے بھی ان کاشتکاروں کی مالی امداد کریں جو اب اس قابل بھی نہیں رہ گئے کہ اگلی فصل پر اپنا کام جاری رکھ سکیں۔

ربیع کی اس تباہی کے بعد خریف کے اکارت چلے جانے کا اندیشہ ان کی جان لے رہا تھا۔ جب بیل نہ ہوں گے تو اگلی فصل کے لئے بھی کیا ہو سکتا تھا۔

اور یہ سوچ کر وہ ایک ڈپوٹیشن کی شکل میں زمیندار صاحب کی حویلی کے احاطہ میں جمع ہو گئے۔

کیا چاہتے ہو تم لوگ کارندے نے بڑے تلخ لہجہ میں ان سے سوال کیا۔

"ہم سب مر گئے ہیں سرکار" سب نے مل کر دہائی دی۔

"تو شمشان بھومی چلے جاؤ۔ یہاں کیا لینے آئے ہو"

"ایسی باتیں نہ کہئے سرکار" مجمع بے چین ہو گیا "ہمیں تو پورا گاؤں بے موت مر جائے گا"

"ہم لوگ بڑے سرکار سے صرف ایک دو باتیں کرنا چاہتے ہیں" گاؤں کے مکھیا نے آگے بڑھ کر کارندے سے درخواست کی۔ آپ ہماری یہ درخواست بڑے سرکار تک پہنچا دیجئے ـــــ "اچھا"!

کارندہ ایک نفرت بھری نگاہ ان سب پر ڈال کر اندر دیوان خانے میں چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد زمیندار صاحب باہر تشریف لائے اور غریب کاشتکاروں نے زمین بوس ہو کر کورنش کی۔

"کیا چاہتے ہو تم لوگ" بھاری بھر کم آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"مائی باپ ہم لوگ بے موت مارے گئے ہیں سرکار" مکھیا نے زمیں بوس ہو کر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے مجمع کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ہم اب بہت دکھی ہیں سرکار!

"کیا دکھ ہے تمہیں ـــــ"

"سرکار! سب ایک زبان ہو کر دہائی دینے لگے" پالا پڑ گیا ہے سرکار۔ ربیع پوسی کی پوری ماری گئی ہے مالک"

"اور ہم میں سے بہتوں کے بیل بھی مر گئے ہیں سرکار" بنواری تقریباً رو دینے والی آواز میں گلو گیر ہو کر بولا۔

"سرکار کی دہائی دینے ہم آئے ہیں مالک"

"ہوں ــــ! زمیندار حقارت کے ساتھ ان خستہ حال اور دکھی انسانوں کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔ اور پھر اس کی پیشانی پر خباثت کی جانی پہچانی شکنیں ابھر آئیں۔

"فصلیں تباہ ہو گئیں ہیں تم سب کی"

"سرکار۔ غریب پرور"

"کس نے تباہ کی ہیں تمہاری فصلیں"

"ایشور کی لیلا ہے سرکار۔ برف پڑ گئی ہے کھیتوں پر"

"تو ایشور کے پاس جاؤ۔ ہمارے پاس لینے کیا آئے ہو۔ ہم قصوروار تو نہیں ہیں تمہاری اس تباہی کے"

"ایسا نہ کہیئے مالک، ہم آپ کی رعایا ہیں اور رعایا کے ان داتا آپ ہی سرکار"

"ہم بے موت مر جائیں گے"

"ہمارے بچے ایک ایک ذرے کے لئے بلک بلک کر دم دے دیں گے سرکار"

"دہائی ہے سرکار۔ آپ کی دہائی"

یہ کیا بیہودہ بکواس لگا رکھی ہے تم لوگوں نے۔ زمیندار غصہ سے آگ بگولہ ہو کر گرجا۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ قہر تم پر تمہارے ایشور نے نازل کیا۔ اور اس کی بھگتان ہم بھگتیں۔ اے واہ۔ یہ بھی خوب رہی۔ جاؤ اپنے ایشور کے پاس اور اس سے کہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ تمہاری اس بیہودہ مدد کیلئے نہ تو میرے خزانہ میں

فالتو روپیہ ہے اور نہ میرے پاس اتنا فضول وقت ہے کہ میں تمہاری یہ فضول کی بکواس سنوں۔"

اور یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے تیزی کے ساتھ مڑا اور یکایک رک کر بولا۔

"خبردار۔ اگر تم میں سے کسی نے بھی لگان چکانے میں آنا کانی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ ساری زمین مکان۔ برتن بھانڈے۔ بیل بدھیا سب کچھ نیلام کرا لونگا۔ سمجھے ـــ ؟"

اور یہ کہہ کر وہ اپنی حویلی کے اندر چلا گیا۔ اور غریب کسانوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑانے لگیں۔ ان کے دل بیٹھ گئے وہ بیچارے گم سم حواس باختہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ ان کی نظروں میں دنیا تاریک تھی اور بلکتے ہوئے بھوکے بچوں کی صورتیں ان کے سامنے ایک بڑا ہی بھیانک اور رجاں گسل منظر پیش کر رہی تھیں۔ اب کیا ہوگا بدری کاکا۔ رحیم کی مری ہوئی آواز سنائی دی۔

اور بدری کاکا کی آنکھوں میں تباہیوں کے زندہ جنازے پھرنے لگے وہ صرف اپنے دونوں ہاتھ ہلا کر رہ گیا جیسے کہہ رہا ہو کہ اسے خود نہیں معلوم کہ اب کیا ہوگا۔ اور اب ہونا بھی کیا چاہیئے۔

پرکاش اپنے ساتھیوں کی پشت پر اپنے اُن لوٹ سے غلامی کی ایک اور تازہ مہر لگاتا ہوا اس کی پشت کے سہارے اپنے وفادار گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور اس نے اس کا خیال کیے بغیر کہ سامنے انسانوں کا ایک ہجوم اس کے باپ کے در پہ رحم کی بھیک مانگنے آیا ہے۔ اپنے گھوڑے کو ایک زور کی ایڑی لگائی۔ اور اس کا وفادار گھوڑا انسانوں کے بیچ سے انہیں کچلتا اور دھکے دیتا ہوا حویلی کے پھاٹک سے باہر نکل گیا۔

بے چینی اور اضطراب سارے قصبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ اور یہ کوئی اتنا معمولی

حادثہ تو تھا نہیں کہ اسے سرد سرد آہوں کی لپٹ میں دفن کر دیا جائے اور اللہ کے بھروسے پر رہ کر تقدیر کے لکھے پر بھی اکتفا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا شام کے وقت قصبہ کے چودھری ابراہیم چاچا کی چوپال کے سامنے جو نیم کے نیچے کا لمبا چوڑا میدان تھا۔ اس میں قصبے بھر کے کسانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اور یہ بات سوچی جانے لگی کہ اس ناگہانی کا علاج کس طرح کیا جائے۔

جلسے کے چودھری ابراہیم چاچا اور بدری کاکا تھے۔

"اس فصل کا لگان تو زمیندار صاحب کو معاف کرنا ہی پڑیگا۔ رہبیر سنگھ نے پرجوش لہجہ میں کھڑے ہو کر یہ بات بآواز بلند کہی۔ اور پھر سارے مجمع نے لبیک کی صدا بلند کی۔ سینکڑوں ہاتھ فضا میں اس بات کی تائید کے لئے بلند ہو گئے۔

مگر آج سویرے جب ہم لوگ زمیندار صاحب کی حویلی پر یہ درخواست لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ سب بکواس ہے وہ لگان کی ایک پائی بھی معاف نہ کریں گے" ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر یہ بات کہی اور اس پر ہر طرف سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

"یہ بات زمیندار صاحب نے کہی ضرور تھی مگر ہم لوگ مانیں جب نہ" بقاقی نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

"ہم لگان کی ایک پائی بھی ادا نہ کریں گے۔

"اور ادا کریں گے بھی کیسے۔ ہماری تیار فصل تباہ ہو چکی ہیں۔ ہمیں اس فصل میں سے دانہ تو ایک طرف بھوسہ بھی نہ ملے گا۔ کھڑی کی کھڑی فصل کو آگ لگ چکی ہے ہم لوگ تو بھوکوں مریں گے ہی مگر ہمارے ساتھ ہی ساتھ ہماری گائیں، بیلوں، بھینسوں اور ڈنگروں کو بھی بھوکا مرنا پڑیگا اور یہ بات جھوٹ نہیں ہے کوئی بھی دیکھ سکتا ہے کہ پالا کس بری طرح پڑا ہے۔"

اور بہابیر پرشاد کی اس آواز پر پورا مجمع مضطرب ہو گیا۔ ایک شور ابل پڑا۔

"ہم لگان ہرگز نہیں دے سکتے!"

"تن کی کھال کے سوا ہمارے پاس اور دھرا ہی کیا ہے؟"

"اور ہم اگلی فصل بھی تو تیار نہیں کر سکتے۔ ہم میں سے ہمارے کتنے بھائیوں کے بیل مر گئے ہیں۔ ہل کیسے چل سکیں گے۔ جب ہم نئے جانور ہی نہ خرید سکے؟"

اور نئی جوڑی بیل ہم لائیں گے کہاں سے۔ پیسہ کس کے پاس دھرا ہے۔" فقیرا بولا۔

"زمیندار صاحب کا یہ ظلم ہم ہرگز برداشت نہ کریں گے۔" اسلم کی تیوریوں پر بل پڑ گئے

"یہ انیائے ہم سہن نہیں کر سکتے۔" ایک اور آواز آئی۔

"زمیندار کی آنکھوں پر پٹیاں نہیں بندھی ہوئیں۔ وہ ہماری یہ حالت خود دیکھ سکتا ہے"

"اس کی آنکھوں پر تو دولت کی چربی چڑھ گئی ہے۔"

رحیم نے کھانستے ہوئے کہا۔

"وہ جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کرتا ہے۔"

"تو ہم لوگ بھی اب اس کی پرواہ نہ کریں گے۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔"

جہانگیر زور سے دھاڑا۔

"مگر اکیلا چنا بھی کبھی بھاڑ پھوڑ سکا ہے۔ ایک بوڑھے نے کپکپاتی ہوئی آواز سے کہا

"مگر ہم اکیلے نہیں ہیں ہم سب ایک ہیں۔ پورا قصبہ ایک ہے۔ اس لئے کہ ہم سب کی تکلیف ایک ہے۔ ہماری اس وقت کی ضرورتیں ایک ہیں۔

"اور اگر ہم میں سے چند کی ضرورتیں پوری کر دی گئیں تو ___" جہاندیدہ بوڑھے نے کھانس کر دوبارہ یہ سوال کیا۔

"تو کیا ہوگا اگر ہم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی؟"

"پھوٹ ہم میں اسلئے نہیں پڑ سکتی کہ ہم سب ایک دوسرے کے دکھ درد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

رنبیر سنگھ نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی۔

"قصبہ کے لوگ اب اتنے بھولے نہیں رہے۔"

"تو زمیندار بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ وہ ضرور کوئی ٹیڑھی چال چلے گا۔ جس سے ہمارا ایکا بھنگ ہو جائے۔"

نہیں نہیں ہرگز نہ ہونے پائے گا۔" بہت سی آوازیں ایک ساتھ آئیں۔

"ہم لوگ دھرم اور ایمان کی قسمیں ایک ساتھ اٹھائیں گے کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم اپنا معاملہ الگ الگ نہ بنائیں گے۔"

"قصبے کے مسلمان، ہندو، سکھ بڑے چھوٹے برہمن۔ کھتری، دیش، شودر ہم سب کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ ہم سب لوگ اپنے اپنے دھرم اور ایمان کی قسمیں کھائیں گے" ایک گٹھے ہوئے جسم کا جوان آدمی چہک کر بولا۔

ہم اس معاملہ میں کسی کے بہکانے اور بہلانے میں نہیں آنے کے۔

"شاباش!" ابراہیم چاچا بولے" اور جب ہی ہم اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو سکتے ہیں"

"تو کیا طے ہوا" بدری کاکا نے سوال کیا۔

"یہی کہ ہم لوگ لگان کی ایک پائی بھی نہ چکائیں گے۔ ایک ساتھ سیکڑوں آوازیں تڑپ اٹھیں۔

"اور اگر ہم ایسا کریں تو سور کھائیں۔ گائے کا خون پئیں۔"

"ٹھیک ہے۔! ابراہیم چاچا نے سب کو خاموش کیا اور وہ پھر بولے۔

"ایک بات اور ہے اور بات دراصل ابھی یہاں پر ختم بھی نہیں ہوتی۔ شاید تم لوگوں کو یہ بات نہیں معلوم کہ زمیندار اپنے لگے بندھے غنڈوں سے ہمیں پٹوائے گا۔ اپنے چپراسیوں پیادوں دوکانداروں سے کہیگا کہ وہ ہمارا گھر بار لوٹ لیں۔ اور ہمیں بے عزت کریں اور پھر وہ ہم سب پر لگان نہ ادا کرنے کے جرم میں مقدمہ چلوائے گا۔ سرکار کی مدد لے گا۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ہم پر قانون کو تعینات کروے۔ پھر کیا ہو گا۔؟"

"ہم زمیندار کے ہر ظلم کا مقابلہ کریں گے۔ ایک نوجوان کسان جوش میں اپنی لاٹھی زمین پر ٹھیک کر بولا۔ مگر اپنے پرانیائے نہ ہونے دیں گے"۔

"اور قانون — ڈ بدری کاکا نے سوال کیا۔

"ہم سرکار کو اپنی اس حالت کی اطلاع ابھی کیوں نہ کریں۔ اتنا بڑا اقہرا کیلیے اس قصبہ پر تو پڑا نہ ہوگا۔ ہر جگہ یہی حالت ہوگی اور سرکار اندھی ہرگز نہیں ہے۔ وہ فصلوں کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہے"۔ رنبیر سنگھ نے کھڑے ہوکر یہ بات پورے مجمع کو مخاطب کر کے کہی۔ اور سبھوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

مہابیر پرشاد بولا" ہم کل ہی جاکر سرکار کو عرضی دیں گے۔

"اور عرضی پر پورا قصبہ انگوٹھا لگائے گا"۔ اسلم نے ایک اور تجویز پیش کی۔

"اب ٹھیک ہے"۔ ابراہیم چاچا نے اطمینان ظاہر کیا۔

"تو کل شام تک یہ عرضی تحصیل میں پہنچ جانی چاہئیے" بدری کاکا بولے

"کون جائیگا یہ عرضی لے کر"۔

"ہم جائیں گے"۔ رنبیر سنگھ۔ اسلم اور مہابیر نے ایک ساتھ کھڑے ہو کر کہا۔

"تو دستخطوں اور انگوٹھوں کے نشان کا کام کب سے شروع ہوگا"۔ ابراہیم چاچا کہہ رہے تھے۔

"یہ کام ابھی سے کیوں نہ شروع کر دیا جائے"۔

"بالکل ٹھیک مشورہ ہے"۔ ایک بوڑھے نے کھانسی کے درمیان کہا۔

"کل کا کام آج اور آج کا کام ابھی ہو جائے تو اچھا ہے"۔

اور پھر یہ طے کر لینے کے بعد کہ اس فصل کا لگان زمیندار صاحب کو قطعی نہ دیا جائے گا۔ اسی وقت ایک فل اسکیپ کاغذ پر برجموہن سے انگریزی زبان ہی میں درخواست لکھوائی گئی۔ اور اس پر قصبہ بھر کے بالغوں کے دستخطوں اور نشانوں کی

مہم شروع کر دی گئی۔ درخواست تحصیل دار اور ضلع کلکٹر دونوں کے نام تھی۔
اور پھر یہ جلسہ برخاست ہوا۔ طے کیا گیا کہ کل صبح دس بجے تک دستخطوں
کی مہم ختم کر چکنے کے بعد رنبیر سنگھ، اسلم اور مہابیر یہ درخواست لے کر تحصیل
جائیں گے۔ اور اپنے ہاتھوں سے تحصیل دار صاحب بہادر کی خدمت میں
اسے پیش کر دیں گے۔

رات کے اس جلسے کی اطلاع ملک چند کو مل چکی تھی اور اس نے غریب کسانوں کے اس عزم کو جسے کہ وہ ناپاک ارادے کہتا تھا، خاک میں ملا دینے کی تجویزیں سوچ لی تھیں۔

صبح کا وقت تھا۔ ابھی کوئی نو ساڑھے نو کا عمل ہوگا کہ وہ اپنی کوٹھی کی بالائی منزل سے نیچے اترا۔ اور برآمدہ میں آ کر سرخ مخمل کی آرام دہ کرسی میں دھنس گیا۔

"حکم چند ـــ!"

"جی سرکار۔" ایک ادھیڑ عمر کا شخص جس کا جسم خوب گٹھا ہوا تھا۔ اور جو بشرے سے بڑا چست و چالاک اور مکار دکھائی دیتا تھا۔ ملک چند کے آگے جھکا۔

"حکم ان داتا۔"

"جو جو باتیں میں نے رات تم سے کہیں تھیں، وہ سب سمجھ لیں تم نے۔"

"ان داتا۔"

"تو انتظام تیار ہے سارا۔"

"ہاں سرکار۔"

"کارندوں کو اطلاع مل چکی ہے۔"

"غلام نے رات ہی سب کو اطلاع پہنچا دی تھی مالک۔"

"ہوں۔"

کچھ لمحہ سوچ کر ملک چند بولا۔

"پیادوں کو حاضری کے لیے کہا ہے تم نے۔"

"حاضر ہونے ہی والے ہوں گے حضور۔"

"اور ہاں دیکھو ان کو بھی؟"

ملک چند اپنا جملہ پورا نہ کر سکا تھا کہ باہر سے پرکاش اپنے گھوڑے پر سوار صبح کی ڈاک سے واپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ پورچ کے پاس آ کر گھوڑا رُکا اور ایک سائیس نے دوڑ کر گھوڑے کی لگام پکڑی۔ پرکاش گھوڑے پر سے اتر کر سیدھا اپنے باپ کے پاس آیا۔

"جیتے رہو پرکاش"

"کیا تیاریاں ہو رہی ہیں ڈیڈی"

اور پھر وہ اپنے باپ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ بولا۔

کیپٹلزم اور کمیونزم کی پہلی جنگ کی کمان میرے ہاتھ میں ہو گی ڈیڈی"

"وہ طنزاً مسکرایا"

"چیونٹیوں کے پر نکل آئے ہیں"

اور پھر وہ نفرت سے کہنے لگا۔

"ذلیل کتوں کو آج میں یہ بتا دوں گا کہ شریفوں پر بھونکنے کا انجام کیا ہوتا ہے"

"تم ان لوگوں کو کتا کہہ کر اس وفادار جانور کی توہین کر رہے ہو پرکاش" ملک چند اپنی کرسی پر سے اٹھ کر غصے میں ٹہلنے لگا۔

کتا بھی اتنا ذلیل نہیں ہوتا کہ وہ جس کی چچوڑی ہوئی ہڈی پر زندہ رہے اسی پر دانت نکالے۔

ملک چند غصے سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ نالی میں رینگنے والے یہ ذلیل کیڑے ایک دن میرے جسم میں رینگنے لگیں گے"

"آپ فکر نہ کیجئے ڈیڈی" پرکاش تیز ہو کر بولا۔

"آپ کے جسم پر رینگنے سے پہلے ہی میں ان نفرت انگیز کیڑوں پر فنائل چھڑک کر انہیں مار دوں گا۔ جہاں یہ پیدا ہوئے"

"میرے خلاف جلسے ہوں اب یہ نوبت آگئی ہے ان حرامزادوں کو آج ہی میرے ساتھ سرتابی کا مزہ چکھنا پڑیگا"

ملک چند زور سے گرجا۔

"حکم چند — آج شام تک سر اٹھانے والیں کے گھروں پر ہل چل جانا چاہیئے۔ سمجھے تم۔ اگر ذرا بھی غفلت ہوئی حرامزادے تو میں تیری کھال اڑادوں گا"

حکم چند کی گھگھی بندھ گئی۔

"نہیں سرکار۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا"

"کیا ایسا نہیں ہوگا"

"ایسا ہی ہوگا سرکار۔ یعنی کہ جیسا حضور فرما رہے ہیں" حکم چند گڑبڑا کر بولا۔

"یعنی کہ سب کچھ ہوگا جی ہاں۔ بھگوان قسم سرکار میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ ہاتھ جوڑے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"بند کر اپنی بکواس —"

ملک چند نے قہر آلود نظروں سے حکم چند کو گھورا۔ اور پھر وہ پاگلوں کی طرح نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا ہوا تیزی کے ساتھ حویلی کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اوم پرکاش اور حکم چند بڑی حیرت سے اس کی اس حالت کو کھڑے دیکھتے رہے۔ حکم چند کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اوم پرکاش جیسے کہ کچھ سوچ رہا ہو۔

سریتا کی کار اب بہت تیز نہیں دوڑ رہی تھی۔ وہ تیس میل کی رفتار سے چل رہی تھی اور سریتا کا ذہن آج سے برسوں پہلے کی باتوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک بات سوچ رہا تھا۔ اور سریتا کے ذہن کے گوشوں سے ماضی کے پردے ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے تھے۔ اور وہ اپنی یادوں کے دریچوں سے جھانک کر ہر اس واقعہ کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی جو آب سے برسوں پہلے اس کے اپنے قصبہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اور جن واقعات کو دیکھ کر اس کی روح کانپ اٹھتی تھی۔ جسے دیکھ لینے کے بعد اسے اپنے باپ سے دلی نفرت ہو گئی تھی اور اپنے بھائی پرکاش پر جب اس کی نظر پڑتی تو وہ اسے انسان کے پردے میں بھیڑیا دکھائی دیتا۔ وہ اسے درندہ سمجھنے لگتی اور پھر مجبور ہو کر وہ نفرت سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتی۔

اور یہ واقعہ اس طرح ہوا تھا۔

دس ساڑھے دس کا وقت تھا اور قصبہ کے بہت سے کسان قصبہ کے آس پاس کھیتوں میں ادھر ادھر پھیل چکے تھے کہ بلائے ناگہانی کی طرح پرکاش اپنے کارندوں اور پیادوں سمیت آ دھمکا۔

قصبہ کے بیچ و بیچ زمیندار کا ایک چبوترہ بنا ہوا تھا اور اس چبوترہ کے سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ پرکاش نے اس جگہ آ کر اپنا گھوڑا روکا اور ایک کارندہ نے سامنے والے چبوترے پر کھڑے ہو کر ڈگی پیٹنی شروع کی۔

"حکم حاکم کا اور زمین زمیندار کی تمام اسامیوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ چھوٹے سرکار بہ نفس نفیس اس فصل کا لگان وصول کرنے کیلئے پدھارے ہیں۔ بغیر کسی حیل و حجت

اور یہ تاخیر کے سارے اسامی ابھی اور اسی وقت اپنا اپنا لگان لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے آخر لفظ "ہوں" کو اس نے اتنی دیر تک کھینچے رکھا کہ اس کا سانس ٹوٹنے لگا اور اس کی آواز آہستہ آہستہ فضاؤں میں ڈوب گئی۔

ڈگی برابر پٹ رہی تھی۔ اور کارندے کی آواز ڈگی کے شور کے بعد ابھر ابھر کر ڈوب رہی تھی اور ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری تھا۔ قصبے کے بوڑھے بچے اور جوان، عورت، مرد سب ڈگی کی آواز پر چونک ہو کر گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ اور ہر ایک اس "بے وقت" کی شہنائی پر اظہار تعجب کر رہا تھا اور وہ سب ایک ایک کر کے زمیندار کے چوپال کے سامنے جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔

پرکاش کا گھوڑا ایک جگہ سکون سے کھڑا رہنے کی بجائے ٹپاٹپ اپنے چاروں پیر زمین پر ٹپک رہا تھا، اور اپنے آس پاس کی زمین کئی جگہ سے اپنے سموں سے کھود ڈالی تھی بار بار اپنی گردن اٹھا رہا تھا اور پھر سے نیچے گرا رہا تھا۔ پیہم پرکاش کے ہاتھوں کو جو کہ لگام کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے جھٹکے لگ رہے تھے۔ اور اس کا گھوڑا اپنے نتھنے پھڑ پھڑا رہا تھا، خون خموں کی آوازیں نکال رہا تھا۔ اور چھینک رہا تھا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے ایک پارہ ہو جو شیشے پر ادھر ادھر پھڑک رہا ہو مچل رہا ہو۔ اور اسے قرار نہ آتا ہو۔

آس پاس کھڑے ہوئے لوگ بڑے تعجب اور حیرت سے اس اعلان کو سن رہے تھے اور ہکا بکا تھے ان کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ آخر زمیندار صاحب کو یہ ہو کیا گیا ہے۔ ابھی لگان کی ادائیگی میں پورا ایک مہینہ باقی ہے اور کل ہی کی تو بات ہے کہ پالے اور برف سے ساری فصل تباہ و برباد ہو چکی ہے۔ پھر یہ سختی، تقاضہ کیوں اور کس قصور کے جرم میں۔

اور ابھی وہ لوگ بات کی تہہ تک پہنچ بھی نہ سکے تھے کہ سب سے بڑے کارندے نے ایک لسٹ نکالی اور اس پر یونہی ایک سرسری نظر ڈال کر اس نے مجمع کو غور سے دیکھا اور پھر

آواز لگائی۔

رام اوتار — پندرہ روپے بارہ آنے نو پائی — رام اوتار، پندرہ روپے، جو ایک بوڑھے کسان نے ہمت کرکے بیچ ہی میں کارندے کو ٹوکا۔

"مگر سرکار یہ آخر سب ہے کیا —؟"

اور اس کسان کی بات کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہ دیتے ہوئے کارندے نے محض اس پر ایک نگاہ غلط لگاتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھا۔

"رام اوتار بڑھئی پندرہ روپے، بارہ آنے، نو پائی"

"وہ کھیت گئے ہیں" رام اوتار کی جوان بیٹی تارا نے اپنی اوڑھنی کے ایک پٹ کو اپنے دانتوں میں دبا کر شرماتے ہوئے انداز سے کہا۔

"تو بلا کر لا اسے۔ جا۔ بھاگ جلدی کر۔ نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔" دوسرا کارندہ غرایا اور سب سے بڑے کارندے نے پھر آواز لگائی۔

"ماتا دین لوہار، ستائیس روپے تین پائی۔"

"مگر سرکار یہ کس فصل کا لگان ہے" ماتا دین نے بڑی لجاجت سے تعجب بھرے انداز میں سوال کیا۔

"اب یہ بھی تمہارا باپ بتائے گا" — ایک کارندہ گرجا۔

"گاؤدی ہے تو کیا بالکل۔ گدھا کہیں کا۔ اُلو کا پٹھا۔ زبان چلاتا ہے"

حضور "جو بھی زبان چلائے ہمارا حکم ہے کہ تم اس کی زبان گدی سے پکڑ کر باہر کھینچ لو"

پرکاش اپنی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں برساتا ہوا بولا۔

"نمک حرام بولنا سیکھ گئے ہیں"

اس نے گھوڑے کی لگام کو ایک زور کا جھٹکا دیا۔ اور اس کا گھوڑا الف ہوگیا۔ بڑے ادھر ادھر سمٹ گئے۔ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہو۔ دن کے

وقت غریبوں کو تارے نظر آنے لگے۔

"مگر حضور۔ غریب پرور ت

گاؤں کا بوڑھا مکھیا بڑی حیرت سے بولا ــــــ

"یہ وقت سے پہلے لگان کیسا۔ ابھی تو ـــــ"

"بکواس کرتا ہے بڈھے"

پرکاش اپنے گھوڑے کو سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہم ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے ابھی اور اسی وقت ہم لگان وصول کریں گے۔ اور اگر زیادہ بکواس کی تو ہم تم لوگوں کی کھال اتار دیں گے۔ سمجھے تم لوگ۔ گستاخ کہیں کے بے ادب۔ بدمعاش ـــــ"

"مگر چھوٹے سرکار" برجموہن کا بوڑھا باپ بنواری ملائمت سے بولا۔

"آپ ابھی ہمارے سامنے بچے ہیں۔ اور بچے اپنے بڑوں کو گالیاں کبھی نہیں دیا کرتے اور آپ گالیاں نکال رہے ہیں مالک ـــــ"

"تو، ہمیں تمیز سکھانے آیا ہے۔ کمینہ کہیں کا۔ نمک حرام"

پرکاش نے غصّہ سے اپنے گھوڑے کی لگام زور سے کھینچی اور اسے آگے بڑھا کر وہ بنواری کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

"اگر بہت زیادہ بکواس کی تو نے بڈھے۔ تو جانتا نہیں ہمیں، ہم تیری بوڑھی ہڈیوں کو اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے سرمہ بنا دیں گے"

"مر گئے سرمہ بنانے والے"

ایک نوجوان غصّے میں آگ بگولہ ہو کر تڑپا۔

"اگر اب اور زیادہ اکڑفوں دکھائی تو اچھا نہ ہوگا"

"کمینہ کہیں کا۔ سور کا بچہ۔ اپنی اوقات بھول گیا ہے"

"بوڑو سنگل" — وہ پرکاش کی طرف لپکا اور اس نے اپنے ایک ہی جھٹکے سے اسے گھوڑے کی پشت پر سے نیچے کھینچ لیا۔ اور ایک بھرپور ٹھوکر اس نے پرکاش کے لگائی "بوڑھوں پر ہاتھ اٹھاتا ہے رذیل باپ کا ذلیل بیٹا"۔

—اور اب کیا تھا زمیندار کے پیادے۔ اس کے زرخرید کارندے اور پاسی بھی مل جل کر برجموہن پر ٹوٹ پڑے اور قبل اس کہ برجموہن کے چوٹیں آئیں۔ قصبہ کے نوجوانوں نے اپنے اپنے لٹھ سنبھال لیے۔ اور اچھی خاصی لڑائی شروع کر دی۔

بوڑھے نوجوانوں کو روکتے ہی رہ گئے۔ اور پہلی خون خرابہ شروع ہو گیا۔ پیادوں کے سر کھل گئے۔ کارندوں کے چوٹیں آئیں اور جھنجھلا کر پرکاش نے پستول نکال لیا۔

"ارے! یہ کیا غفلت کر رہے ہیں آپ چھوٹے سرکار"

حکم چند نے آگے بڑھ کر پرکاش کا ہاتھ پکڑ لیا جو برجموہن کو اپنی گولی کا نشانہ بنانے ہی والا تھا۔ پرکاش کا یہ فیر ہوا میں اڑ گیا۔ اور برجموہن کی آئی موت ٹل گئی —

"ہٹ جاؤ تم حکم چند" پرکاش نے حکم چند کو زور کا دھکا دیا

"آج میں اس حرام زادے برجموہن کے بچے کے ٹکڑے اڑا دوں گا"۔

اس نے دوبارہ فیر کرنا چاہا اور ایک پھرتیلے کسان نے پرکاش کے پستول پر اتنی زور کا لٹھ مارا کہ پستول ہوا میں لہرایا اور دور جا گرا۔ پرکاش کی انگلیاں زخمی ہو گئیں۔ اور گولی جو کہ عین اسی عالم میں چل چکی تھی۔ ایک دوسرے کسان کے بازوؤں میں پیوست ہو گئی اور وہ چیخ مار کر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ اور اب یہ حالت دیکھ کر پرکاش کے ہوش ٹھکانے آ گئے وہ اپنے گھوڑے پر چڑھ کر بھاگا اور اس کے تمام ساتھی بھی اس کے ساتھ ساتھ رفوچکر ہو گئے۔

کئی لوگوں نے مل جل کر زخمی کو اٹھایا۔ اور قصبہ کے ایک تیز رفتار یکہ پر ڈال کر وہ ہسپتال لے گئے جو قصبہ سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بیٹھ کر ایک اسکیم تیار کی۔ زخمیوں کی معمولی مرہم پٹی کی گئی اور پھر ان سب کو ساتھ لے کر رپٹ لکھانے کیلئے دو لوگ پاس کے تھانے میں بھیجے گئے۔

پرکاش نے اس نوجوان کی پیٹھ پر ایک زور کا ہنٹر مارا۔

"میں سارے قصبہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دوں گا۔"

اور پرکاش کے اس برتاؤ پر سارا مجمع پیچ و تاب کھانے لگا۔ کھیتوں اور جنگلوں سے تمام کسان خبر سن سن کر جمع ہوئے تھے اور اب تقریباً سبھی کاشتکار یہاں موجود تھے

"ہم لوگ لگان کی ایک پائی بھی ادا نہ کریں گے۔" بوڑھا مکھیا اپنی پیشانی پر اپنے تجربہ کی تمام شکنوں کو یکجا کر کے بولا۔

"آپ بڑے شوق سے ہم سب پر دعویٰ دائر کر دیجیے۔"

"کیا کہا؟ دعویٰ!" پرکاش غصے سے آگ بگولہ ہو کر چیخا۔

"ہم دعووں کے محتاج نہیں ہیں۔ ہم تم سب کی کھالوں میں ابھی اور اسی وقت بھس بھروا دیں گے۔"

"جاؤ۔ جاؤ۔" مجمع بل کھانے لگا۔ "جو جی میں آئے کر لو۔"

"دیکھیے سرکار۔" بنواری پھر ملائمیت سے بولا۔

"آپ ابھی بچے ہیں ناتجربہ کار ہیں۔ آپ ایسی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ آپ واپس چلے جائیے۔ ہم لوگ اپنا معاملہ بڑے سرکار کے سامنے پھر سے رکھیں گے۔"

"مارو جوتوں سے کھال کھینچ ڈالو اس بوڑھے کی۔"

پرکاش نے اپنے پیادوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ اور بڑھ کر اس نے بنواری کی پشت پر ایک بھرپور لات ماری۔

"اوہ———!"

درد کی شدت سے بوڑھے بنواری کی چیخ نکل گئی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ برجموہن اس مجمع میں موجود نہیں تھا۔ وہ کہیں سے خبر پا کر بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ اور آتے ہی جو اس نے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔

جاگیردار صاحب کی حویلی کے بڑے احاطہ میں قصبہ بھر کے چیدہ چیدہ کاشتکاروں کو جمع کیا گیا۔ معاملہ کی تحقیقات کے لئے تھانیدار صاحب بہ نفسِ نفیس تشریف لائے تھے وہ جاگیردار صاحب کے مہمان تھے۔ ان جاگیردار صاحب کے مہمان جن کے خلاف کاشتکاروں نے رپٹ لکھوائی تھی۔ سرکار میں یہ دہائی دی تھی کہ ان پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ بڑی مار پیٹ ہوئی ہے۔ اور اس مار پیٹ کی ساری ذمہ داری جاگیردار صاحب کے صاحبزادے پرکاش کے سر ہے۔

مصنف مدعا علیہ کا مہمان تھا۔ اور اظہار خوشنودی کے وہ مدعا علیہ کے سامنے بار بار کھیس کاڑھ رہا تھا۔ اس کی بتیسی باہر نکلی پڑ رہی تھی۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ مدعا علیہ یعنی جاگیردار صاحب بہت بڑے آدمی تھے۔ لاکھوں کی جائداد کے مالک تھے۔ اور ان کا اثر و رسوخ حکام بالا کے سروں پر چڑھ کر بولتا تھا۔ لہٰذا پھر یہ کیسے ہوتا کہ یہ ادنیٰ قسم کے تھانیدار صاحب جاگیرداری کے آگے سر نہ جھکائیں۔

مدعی پورا قصبہ تھا۔ قصبہ کا ہر فرد اس بات کے لئے شاکی تھا کہ اس پر سراسر ظلم ہوا ہے اور پرکاش نے دولت اور وقار کے نشے میں چور ہو کر بے گناہوں کو اپنے پٹھووں سے پٹوایا ہے۔ گالیاں دی ہیں اور یہاں تک کہ اس نے ان میں سے بہتوں کی جان بھی لے لینی چاہی تھی۔ آزادانہ اس نے باہر نکال کر غریب اور نہتے کاشتکاروں پر گولی چلائی تھی۔ اور ثبوت کے طور پر اس کے پستول کی ایک گولی ہسپتال میں جا کر ایک مظلوم کے بازو سے برآمد بھی کی جا چکی تھی اور بہتوں کی مرہم پٹی بھی اسی ہسپتال میں ہوئی تھی۔

مگر نتیجہ اس کا صفر تھا۔ کسی قسم کی باز پرس تھانیدار صاحب نے پرکاش سے نہیں کی اور نہ جاگیردار صاحب ہی سے کسی قسم کے سوالات کئے گئے۔ بلکہ الٹا ہوا یہ کہ تھانیدار صاحب نے قصبہ کے ایک ایک فرد کو ڈانٹا ڈپٹا۔ انہیں ڈرایا دھمکایا۔ اور اپنی گرجدار آواز سے انہوں نے پورے ماحول کو سر پر اٹھا لیا۔

"کیوں بے مہابر وا" انہوں نے مہابیر پرشاد کو ایک زوردار ننگی گالی دی۔

"تیری اتنی مجال سالے کہ تو جاگیردار صاحب کے اوپر قاتلانہ حملے کے خواب دیکھے"۔

"مگر سرکار۔

مہابیر پرشاد بولا ہی تھا کہ وہ گرجے۔

"چپ حرامزادے"۔

اور اب وہ رام اوتار اور بفاتی کی طرف متوجہ تھے۔

"کیوں بے سالو! وہ گرجے "تم لوگوں نے پرکاش جی کے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا"

"یہ سب غلط ہے تھانیدار صاحب" ابراہیم چاچا بولے

"آپ یک طرفہ فیصلہ سنا رہے ہیں صاحب" بدری کاکا اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ان بچارے غریبوں کی اتنی مجال کہاں سرکار کہ وہ جاگیردار صاحب یا ان کے صاحبزادے صاحب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ زخموں کے کھلے ہوئے سر حضور نے خود دیکھے ہیں اور چھوٹے سرکار کی گولی شرف الدین کے بازو میں۔

"مت بکو تم" تھانیدار صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

"تم لوگ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا سر پھوڑ کر جاگیرداری کے خلاف ہنگامہ کھڑا کرتے ہو۔ چار سو بیس کے جرم میں تم سب کو جیل میں ٹھونس دوں گا۔ اور پھر زندگی بھر وہیں پڑے سڑتے ہو گے۔ کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو گا"

"مگر سرکار"

"مت بکو" تھانیدار صاحب گرجے۔

"میں تم لوگوں کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ تم سب کے سب بدمعاش ہو گئے ہو۔ زبان چلانا سیکھ گئے ہو تم لوگ جانتے نہیں ہو کیا کہ میں اس قسم کی زبانوں کو اپنے جوتے سے تراش کر پھینک دیتا ہوں"

اور پھر وہ مجمع پر ایک نظر ڈال کر بولے۔

"خیر تم سب کو اس مرتبہ معاف کیا جاتا ہے۔ مگر دیکھو خبردار۔ خبردار آئندہ ایسی کوئی شکایت میرے کانوں تک نہ پہنچے۔ جاؤ۔ اور جاکر اپنے رحم دل جاگیردار صاحب کی جان و مال کو دعائیں دو۔ جن کی شفاعت سے میں تم لوگوں کو ابھی بار معاف کئے دے رہا ہوں"

وہ زور سے گرجے۔

"دور ہو جاؤ تم لوگ میری نظروں کے سامنے سے"۔

پورا مجمع ساکت تھا۔ دل زخمی تھے۔ اور آنکھوں سے یاس ٹپک رہی تھی۔ اور جاگیردار صاحب اپنی مونچھوں پر تاؤ دے رہے تھے۔ پر کاش کھڑا مسکرا رہا تھا۔

بڑی بے بسی کے عالم میں یہ مجمع وہاں سے منتشر ہونے لگا۔ بالکل ساکت اور مرجھایا ہوا آنکھوں میں ان گنت شکایتیں تھیں۔ مگر لب جبر و تشدد کے آہنی دھاگوں سے سلے ہوئے تھے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اور جاگیردار صاحب تھانیدار صاحب کی پیٹھ ٹھونک کر زور سے قہقہہ لگا رہے تھے اور تھانیدار صاحب بڑے نیازمندانہ انداز میں سر جھکائے اپنی جیب ٹٹول رہے تھے۔

ان کی جیب سو سو کے نوٹوں کی گڈی کے باعث پھول گئی تھی۔

اور پھر اسی رات کو جبکہ قصبہ کا ہر کاشتکار فکروں کے باعث سو نہیں سکا تھا۔ جاگیردار صاحب کی کوٹھی پر ہر قسم کی فکروں سے آزاد شراب ارغوانی کے جام لنڈھائے

جا رہے تھے۔ سیم و زر کے دھاگوں میں بندھی ہوئی ایک حسین و جمیل عورت ابروؤں کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی۔ اور پیمانے رقص کر رہے تھے۔ قہقہوں کی بارش سے پورا ماحول بھیگ گیا تھا۔

سریتا نے نتھنے پھیلا کر اپنی گردن نفرت کے ساتھ جھٹکی۔ اور اس کی کار ایک گڑھے میں پڑ کر زور سے اچھل گئی اور اس کے خیالات کا بہتا ہوا دھارا ایک بار گی رُک گیا۔

اور اب ہر قسم کے خیالات سے آزاد ہو کر وہ گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔ اس نے اپنی کلائی پہ بندھی ہوئی رسٹ واچ کو غور سے دیکھا۔ نو بج کر اٹھارہ منٹ ہو چکے تھے اور شہر ابھی یہاں سے کوئی آٹھ میل دور تھا۔

سریتا سوچنے لگی کہ پھر ادھر ان دو ایک برسوں میں کیا ہوا۔

اس کے باپ یعنی جاگیردار صاحب کی ہٹ دھرمیاں اور نہ یاد تیاں غریب کاشتکاروں کے لئے جان کا روگ بن گئیں۔ اس کے بھائی پرکاش کی کمینگی نے درندگی اختیار کر لی۔ اور اب وہ آزادانہ طور پر قصبہ کی جوان لڑکیوں کو اپنی ہوس ناکیوں کا شکار بنانے لگا۔

شام کا جھٹ پٹا ہو گیا تھا۔ اور پرکاش اپنے گھوڑے پر سوار خراماں خراماں چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ بالکل سنسان پگ ڈنڈی پر ایک جوان لڑکی تیز تیز قدم

پڑھائی قصبہ کی طرف بڑھ رہی ہے ۔ لڑکی کے سر پہ کربی (جوار کے ہرے پودوں) کا لدا ہوا تھا۔ اور تیز چلنے کے باعث اس کا سانس پھول گیا تھا۔

پرکاش اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس لڑکی کے بالکل سر پہ پہنچ گیا اور اپنے سامنے اسے دیکھ کر لڑکی سہم کر کھڑی ہو گئی وہ اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ پرکاش اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹائے تو وہ آگے بڑھے۔ پگڈنڈی کے دونوں طرف دور دور تک جوار اور باجرے کے کھیت دیوار بنائے کھڑے تھے ۔

وہ انتظار کرتی رہی اور پرکاش بھوکی اور ننگی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ آخرش وہ بولی۔

"تھوڑی سی جگہ دے دیجئے سرکار"

"تھوڑی سی جگہ نہیں رانی" پرکاش شرارت سے اپنی آنکھیں نچاتے ہوئے بولا۔ "تمہارے لئے تو میرے دل میں بہت بڑی جگہ ہے"

اور پرکاش کی اس بدتمیزی پر وہ لڑکی سہم گئی۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کی نظریں شرم سے زمین پر گڑ گئیں کہ پرکاش بے تابی سے بولا۔

"اگر چاہو تو جیون بھر کے لئے تم مجھے اپنا غلام بنا سکتی ہو"

"ہم غریب ہیں سرکار۔ دوسروں کی غلامی ہمارا بھاگ ہے"

"رانی ___؟"

پرکاش گھوڑے پر سے نیچے اتر پڑا۔

"بڑا اچھا موقع ہے یہ"

وہ لڑکی کی طرف لپکا کر وہ دو، چار قدم پیچھے ہٹ گئی ۔

"دیا کیجئے سرکار"

"اور تم دیا کرو گی ہمارے اوپر"

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے مالک۔"

"اور میں تمہاری خوشامد کرتا ہوں۔"

پرکاش نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بڑا اچھا موقع ہے۔ جوار باجرے کے کھیت آخر کام کس دن آئیں گے۔"

"سرکار"

لڑکی چیخ پڑی اور گٹھا اس کے سر پر سے گر پڑا۔

"غریب کی عزت۔"

اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ پرکاش نے وحشیوں کی طرح لپک کر اس کا منہ بند کر لیا۔ اور اب وہ اسے جوار کے کھیت کی طرف اپنی پوری قوت سے کھینچ رہا تھا دونوں میں کشمکش جاری تھی کہ اتفاق سے عین اسی وقت جبکہ وہ غریب لڑکی کو زبردستی کھینچ کر کھیت میں ڈوبنے والا تھا۔ چند آدمی آ گئے اس طرف اور وہ یہ دیکھ کر پرکاش کو ہوش آ گیا۔ وہ لڑکی کو چھوڑ کر اپنے گھوڑے کی طرف لپکا اور اس پر بیٹھ کر نو دو گیارہ ہو گیا۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ گئی۔

مارے رنج اور غصّے کے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ——؟" ایک نے پوچھا۔

"چھوٹے سرکار ——" اور یہ کہہ کر لڑکی پھر زار و قطار رونے لگی۔

"کیا کیا چھوٹے سرکار نے۔"؟

"وہ زبردستی میری عزت لوٹنا چاہتے تھے۔"

"اب تو زیادتی کی حد ہو گئی رحیم بھیا۔" رامو گرجا۔

"میں اس چھوٹے سرکار کے بچے کا بھیجا باہر نکال دوں گا۔"

"دھیرج دھرو رامو۔" ایک بولا۔

"ہم آج ہی اس معاملہ کو پنچایت میں رکھیں گے۔"

"اب بات برداشت سے سچ مچ باہر ہو گئی ہے۔" رحیم بولا۔

"ہم پیٹ کی مار تو کھا سکتے ہیں۔ مگر عزت پر آنچ آئے اس سے ہم اپنا خون بہا دیں گے۔"

اور پھر لوگوں نے غریب لڑکی کی بیحد تسلی تشفی کی اور اسے اپنے ساتھ لے کر قصبہ میں واپس آ گئے۔

رات کے وقت بدری کاکا کی چوپال میں قصبہ کے آٹھ دس آدمیوں کی بیٹھک ہوئی اور بڑے بحث مباحثہ کے بعد یہ بات طے پائی کہ صبح برجموہن اکیلا جا کر اس مسئلہ پر کاشی سے بات چیت کرے اور اسے بتا دے کہ اس کی یہ حرکتیں کسی قیمت پر بھی قابل برداشت نہیں ہیں۔ وہ اپنی ان کمینی حرکتوں سے باز آ جائے ورنہ پورے قصبہ کی فضا اس کے حق میں بیحد خراب ہو جائے گی۔

اور چونکہ یہ معاملہ ایک جوان لڑکی کی عزت سے تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا اسے زیادہ اچھالا نہیں گیا۔ اور یہ بات بڑی خاموشی کے ساتھ گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے طے کر دی خود برجموہن کا خیال بھی یہی تھا کہ نہایت ہی شرافت کے ساتھ ایک بار پرکاش کو یہ مسئلہ سمجھا دیا جائے۔ اور پھر اگر اس پر بھی وہ اپنی ان ذلیل حرکتوں سے باز نہ آئے تو دوسری کارروائی کی جائے۔

لہٰذا یہ بات طے ہو گئی۔

پرکاش بابو اندر ہیں۔

"کیوں ——؟ حکم چند نے برجموہن کے اس سوال پر نفرت سے منہ بگاڑا۔

مجھے ایک کام ہے ان سے۔

"کیا کام ہے ——" حکم چند فرعونیت سے بولا۔ "جو کام ہو مجھ سے کہو۔"

"تم انہیں اطلاع کرا دو کہ برجموہن آیا ہے۔"

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ تم آئے ہو۔" حکم چند نے نفرت سے ناک سکوڑی

کہ کیوں آئے ہو۔"

"اس بات کا جواب میں انہیں کو دوں گا۔"

"بہت دماغ خراب ہو گیا ہے تم سب کا۔" حکم چند جھنجھلا کر بولا۔

"کیا چھوٹے سرکار تمہارے نوکر ہیں کہ وقت بے وقت جب بلاؤ دوڑے چلے آئیں"

اور پھر وہ تیز ہو کر بولا۔

"جاؤ راستہ پکڑو اپنا، وہ نہیں آئیں گے۔

"حکم چند ——!" برجموہن بولا۔

"تم نوکر ہو اور تمہارا ——"

"تملا کر حکم چند نے پرکاش کا جملہ پورا ہونے نہ دیا۔ وہ زور سے چیخا۔"

"نوکر ہوں، پھر تمہارے باپ کا۔"

کہ اتنے میں ادھر سے سریتا گزری۔ اور اس نے حکم چند کو ڈانٹا۔

"تم سخت بدتمیز ہو۔"

اور پھر وہ برجموہن سے مخاطب ہوئی۔

"معاف کیجئے گا۔ اپنے اس نوکر کی بدتمیزی کی معافی میں چاہتی ہوں آپ سے"

"کوئی بات نہیں" برجموہن ملائمیت سے بولا۔

"بڑے آدمیوں کے کتے ہمیشہ اسی طرح بھونکتے ہیں"

اس نے نفرت سے حکم چند کی طرف دیکھ کر یہ جملہ ادا کیا اور حکم چند مارے غصّے کے پیچ و تاب کھا گیا۔

"آیئے" سربتا نے کہا۔ تشریف لایئے اندر۔ وہاں کیوں کھڑے ہیں آپ"

"مجھے پرکاش بابو سے ملنا ہے"

"آیئے تشریف رکھئے۔ میں ابھی خود جاکر آپ کے آنے کی اطلاع کئے دیتی ہوں"۔

سربتا برجموہن کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر جاتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی بھیجتی ہوں انہیں"

"جی۔ بہت بہت شکریہ آپ کا" وہ اپنی جگہ پر سے تھوڑا سا اٹھا۔

سربتا چلی گئی اور برجموہن ریک میں رکھی ہوئی کتابوں کو دیکھنے لگا۔ کہ تھوڑی دیر بعد پرکاش آگیا۔ اور وہ آتے ہی بڑی رعونت سے اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"کیوں۔ کیا کام ہے"؟

"جی: مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے"

پرکاش اپنی پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے ——؟"

"جی۔ آپ سے ——"

اور وہ برجموہن سے یہ کہے بغیر کہ بیٹھو۔ بڑی فرعونیت سے صوفہ میں دھنس گیا برجموہن کو پرکاش کی اس رعونت پر ہنسی آگئی۔ مگر وہ اپنی ہنسی کو دباتا ہوا بغیر

اس کے سامنے والے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

پرکاش کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"کہو" اس نے غصے اور نفرت سے منہ بنا کر کہا۔

"کیا کام ہے تمہیں"

"آپ کو جوان لڑکیوں کے شکار کا شوق کب سے پیدا ہو گیا"

"بدتمیز" پرکاش کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"تمہیں کیا حق ہے کہ تم میرے ذاتی معاملات میں دخل دو"

"آپ اگر اپنے ذاتی معاملات شہر تک ہی محدود رکھتے تو ہمیں دخل دینے کی ضرورت ہرگز نہ پڑتی پرکاش بابو"

برجموہن ترش روئی سے بولا۔

"مگر چونکہ آپ نے اب یہاں بھی ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہمیں کچھ کہنے کی جرأت ہوئی ہے، ورنہ ——"

پرکاش نے برجموہن کی بات کاٹی۔

"میں اپنی جاگیر میں اپنا شوق پورا کرتا ہوں"

"شرم آنی چاہیے آپ کو۔ برجموہن نے نفرت کے ساتھ کہا۔

"قصبہ کی ہر بہو بیٹی ہماری عزت ہے"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو" پرکاش غصے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور برجموہن نے اس کے اس غصے کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے اسی طرح بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

"کل شام آپ نے ایک لڑکی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی" اور آپ کی اس بیہودہ کوشش نے ہماری رگوں میں خون کی جگہ انگارے بھر دیئے ہیں"

"تم مجھ پر الزام لگانے آئے ہو"

پرکاش نے ایک کے نزدیک جاکر برجموہن کو گھورا۔

"رجانے" ہو اس کا انجام کیا ہوگا۔؟"

"اور آپ یہ جانتے ہیں کہ گاؤں کی بہو بیٹیوں کو بری نظر سے دیکھنے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟"

"جھوٹ بکتے ہو تم"۔ پرکاش آگ بگولہ ہوگیا۔

"کیا دھرا ہے گاؤں کی ان بھونڈی اور بدشکل لونڈیوں میں؟"

"زبان کو لگام دیجئے پرکاش بابو" برجموہن اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"گاؤں کی ہر لڑکی ہماری عزت ہے۔ اور ہماری عزت پر اس طرح کیچڑ اچھالنے کا حق کسی کو نہیں ہے؟"

"وہ" پیچ و تاب کھاکر بولا۔

"آپ یہ بات کان کھول کر سن لیجئے کہ اگر آئندہ پھر کبھی آپ نے اس قسم کی ناپاک جرأت کی تو آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا"

"زبان دراز، بیہودہ کہیں کا۔ گستاخ" پرکاش زور سے چیخا۔

"گٹ آؤٹ بدر سکل"

اور وہ آگے بڑھ کر برجموہن کے گال پر ایک طمانچہ لگانے ہی والا تھا کہ اتنے میں سمرتیا آ گئی۔ اور اس نے آتے ہی اپنے بھائی کو روکا۔

"بھیا ــــ" وہ پرکاش کی طرف لپکی۔

اور اسی دوران میں برجموہن نے پرکاش کا وہ ہاتھ جو کہ اس پر اٹھ چکا تھا پکڑ لیا۔

"پرکاش!" برجموہن نفرت کے ساتھ بولا۔

"ہر جگہ طاقت کا استعمال بے وقوفی ہے"

"کیوں اپنی بدنامی پر تلے ہوئے ہیں آپ" سمرتیا بڑی شرمندگی کے ساتھ بولی۔

"شرم نہیں آتی آپ کو بھیا ــــــ؟"

وہ نفرت سے برجموہن کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھی۔"

ایک تو غلطی کرتے ہیں آپ اور پھر اس پر نادم ہونے کی جگہ سمجھانے والے پر آپ کا ہاتھ اٹھتا ہے۔"

سریتا۔" برجموہن شکست خوردگی سے بولا۔"

جاؤ تم یہاں سے"

وہ اپنے صوفہ پر آکر بیٹھ گیا۔"

"میں دیکھ رہا ہوں برجموہن کہ تم اپنی شامت بلانے پر بری طرح آمادہ ہو گئے ہو وہ برجموہن سے مخاطب تھا۔"

تم مجھ پر غلط قسم کے الزامات لگا رہے ہو مجھے دوسروں کی نظروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ یہی شرافت ہے تمہاری؟"

میں دوسروں کی نظروں میں اگر آپ کو ذلیل کرنا چاہتا تو اس طرح بند کمرے میں بیٹھکر سمجھانے نہ آتا آپ کو۔"

برجموہن بولا۔"

میں آپ کا بھلا چاہتا ہوں۔ مگر کبھی کا برا چاہ کر نہیں اور اس لیئے میں آپ کو سمجھانے آیا تھا کہ آپ کا یہ رویہ پورے قصبہ کو آپ سے بدظن کر دے گا۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہو۔"

برجموہن نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے بڑی ملائمت سے کہا۔"

عزت سب کی برابر ہوتی ہے پرکاش بابو چاہے وہ غریب کی عزت ہو اور چاہے امیر کی۔ اور عزت پر بات آجانے پر لوگ جانوں پر کھیل جاتے ہیں۔"

تم ٹھیک کہتے ہو" پرکاش بچوں کی طرح بلکتی بنی ہنس بولا۔"

مگر میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو کسی کی بدنامی کی بات ہو۔"

بہر حال تم آئندہ اس بات کا خیال رکھے گا۔"

اور یہ کہہ کر مزید کسی بات کا انتظار کئے بغیر برجمو ہی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔۔

اور بیر کاش اس کی طرف دیکھکر غصّے سے اپنے ہونٹ چبانے لگا۔۔

رات کی تاریکی میں دو سائے ایک ساتھ رینگے ۔ اور پھر وہ ایک کچے مکان کی دیوار کے پاس آ کر رک گئے ۔ ایک سائے نے اپنا منہ بڑھا کر دوسرے سائے کے کان میں کچھ کہا ۔ اور وہ سایہ نفی میں سر ہلانے لگا ۔"

"نہیں سرکار ۔" کوئی کانا پھوسی کے انداز میں کہہ رہا تھا ۔

"رجھو بن کو اگر ہم نے جان سے مار دیا تو بات نہ بنے گی ۔"

"پھر ۔ ۔"

"وہی ترکیب ٹھیک ہے ۔"

"کیسا ۔ ۔"

"بوڑھے رحیاں کو مار کر خون کا الزام رجھوبن کے سر رکھ دیا جائے ۔"

"مگر یہ کیسے ہو گا ؟"

"دیکھتے جائیے آپ سرکار ۔ ۔" وہ بولا ۔

"رگھنڈا سایہ نے برجموہن کے گھر سے چرا لیا ہے"
"ٹھیک ہے۔"
اور پھر وہ دونوں سائے دیوار پر سے رینگ کر کہیں دور تاریکی میں غائب ہو گئے

ایک دلدوز چیخ کی آواز سے ساری فضا ہل گئی۔ اور پھر برجموہن کے گھر کا دروازہ کوئی زور زور سے پیٹنے لگا۔ گھبرا کر برجموہن نے کنڈی کھول دی

اور کئی آدمی اسے زبردستی پکڑ کر ایک گھر میں گھس گئے۔ دالان میں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ پلنگ پر سے کسی کا نصف دھڑ باہر لٹک رہا تھا۔ پورا پلنگ اور سارے کا سارا بستر خون سے تر تھا اور ان لوگوں نے زبردستی برجموہن کو اسی پلنگ پر دھکیل دیا

اور پھر وہ لوگ بھاگ کر باہر آ گئے اور دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ کئی آدمی مشعلیں لیکر آ گئے۔ اور پھر وہ سب مل کر چیخنے لگے۔

"قتل۔ خون۔ خون۔ قتل کسی نے راجپال چاچا کا خون کر دیا۔"

گھروں سے نکل نکل کر ایک مجمع راجپال کے گھر کے سامنے جمع ہو گیا۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اتنے میں جاگیردار صاحب کے سات آٹھ پیادے اور حکم چند بھاگے ہوئے آئے اور آتے ہی حکم چند نے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا۔؟"

کسی نے راج پال چاچا کا خون کر دیا ہے شاید" ایک آدمی بولا

ارے۔ حکم چند حیرت سے بولا۔

"مگر یہ ہوا کیسے؟"

"ایک آدمی اندھیرے میں اندر گھسا تھا" ایک اور بولا۔
"اور پھر اندر سے راجپال چاچا کے چیخ کی آواز سنائی دی۔"
قاتل اندر سے نکل کر بھاگ نہ جائے اس لیے ہم نے باہر سے کنڈی چڑھائی ہے
اوہ۔! حکم چند بولا۔
جاگیر دار صاحب کو خبر کرنی چاہیے۔
اور ابھی وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ پرکاش اپنے گھوڑے پر سوار بھاگا ہوا آیا۔
کیا ہنگامہ ہے! اس نے آتے ہی پوچھا۔
سرکار۔" حکم چند ہاتھ جوڑ کر بولا۔
قتل ہو گیا ہے سرکار۔"
"ارے۔!"
ہاں سرکار۔ دوسرا بولا "اگر حکم ہو تو دروازہ کھولا جائے"
کھولو دروازہ۔"
پرکاش نے قصبہ کے پہریدار سے کہا۔
اور پھر وہ لوگ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔
اندر راجپال کی لاش خون میں لت پت پڑی ہوئی تھی اور پلنگ کے پاس ہی برجموہن کھڑا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لپک کر......
حکم چند نے برجموہن کو پکڑ لیا۔ پورا مجمع حیران رہ گیا۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔" ارے! پرکاش بڑبڑایا۔"
"برجموہن تم۔"!
اور پھر وہ غصے سے آگ بگولہ ہو کر گرجا۔
کیا بگاڑا تھا اس بوڑھے نے تیرا۔"

اس نے برجموہن کے گال پر کئی طمانچے لگائے۔ کہ اتنے میں برجموہن کی بوڑھی ماں چیختی چلاتی۔ اور اپنے بیٹے سے لپٹ کر رونے لگی۔

"نہیں نہیں!! میرے بیٹے نے خون نہیں کیا۔ یہ تو ابھی ابھی گھر پر ہی تھا۔ یہ تو سو رہا تھا۔ میرا بیٹا خون نہیں کر سکتا۔"

وہ چیختے لگی۔ اور چیختے چیختے بیہوش ہو کر گر پڑی۔ جاگیردار کے آدمی برجموہن کو پکڑ کر باہر لائے۔ باہر پولیس آگئی تھی۔ ان لوگوں نے قاتل کو پولیس کے حوالہ کر دیا۔

برجموہن خاموش تھا۔ گم سم۔ جیسے کہ کسی نے اس کی زبان کاٹ دی ہو۔ جیسے کہ کسی نے ہونٹ سی دیئے ہوں اس کے۔

برجموہن کا باپ بنواری بھاگتا ہوا آیا۔ وہ ملائیاں دیتا ہو کھلیان سے بھاگا آرہا تھا۔ وہ آتے ہی اپنے بیٹے سے لپٹ گیا۔"

"نہیں نہیں۔" بنواری پاگلوں کی طرح چیخا۔

میرا بیٹا خونی نہیں ہے۔ اس نے خون نہیں کیا۔"

اور پھر وہ برجموہن سے کہنے لگا۔

کہہ کیوں نہیں دیتا کہ تو نے یہ خون نہیں کیا۔ تیری راجپال چاچا سے کوئی عداوت نہیں تھی۔ وہ تو تیرے چاچا تھے۔ چاچا! جن سے تجھے بڑا پریم تھا۔ اور تو جن کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ جو تیرے پڑوسی تھے کہہ دے بیٹا کہ تو نے نہیں مارا انہیں۔"

مگر برجموہن کی زبان نہ کھل سکی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھتا رہا۔ جیسے کہ اسے سکتہ ہو گیا ہو۔"

بنواری نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور پرکاش بولا۔

"کنڈاسا برجموہن کا ہے۔ یہ خون اسی نے کیا ہے۔"

وہ کہہ رہا تھا۔"

دیکھتے نہیں ہو بنواری کہ تمہارا بیٹا کچھ نہیں بول رہا اور اس کے کپڑے خون سے تر ہیں۔ وہ اندر سے پکڑا گیا ہے۔ راجپال کے پلنگ کے پاس سے اور اب قانون کی گرفت سے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ یہاں تک کہ تمہارا پریم اور تمہاری چیخ پکار بھی نہیں۔ سب بیکار ہے۔ فیصلہ عدالت کرے گی۔"

"نہیں چھوٹے سرکار —" بنواری پرکاش کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"رحم کیجئے میرے بیٹے پر ترس کھائیے اس غریب پر وہ خونی بالکل نہیں ہے۔ میں حضور کے پیر پڑتا ہوں ہاتھ جوڑتا ہوں آپ کے۔ بچا لیجئے اسے رحم کیجئے اس بوڑھے پر"

"تم لوگ ملزم کو اپنے ساتھ تھانے پر لے جا سکتے ہو۔"

پرکاش نے پولیس والوں سے کہا۔

"اپنی گواہیاں پکی کر لو۔ ثبوت تمہارے سامنے موجود ہے۔"

بنواری چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اور پولیس نے ضروری کارروائیوں کے بعد برجموہن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

برجموہن کی اس اچانک گرفتاری پر سارا قصبہ بے چین ہو گیا۔ اور پھر اس رات رات بھر کسی کو نیند نہیں آئی۔ برجموہن کی ماں نیم پاگل ہو گئی اور اس کے باپ بنواری پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ سارا قصبہ حیران اور پریشان تھا کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ راجپال کا خون کس نے کیا اور پورے قصبہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں تھا جسے برجموہن کے مجرم ہونے کا شبہ تک ہو۔

وہ رات پورے قصبہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی۔ ہر شخص اپنے خیال

کے مطابق قیاس آرائیاں کر رہا تھا۔ اور اس ایک بات پر تو سب متفق تھے کہ یہ خون محض برجموہن کو پھنسانے کے لیے خود پرکاش نے کرایا ہے اسی کے آدمیوں میں سے کسی نے یہ خون کیا ہے۔"

اور اب وہ سب مل جل کر برجموہن کے بچانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ جو تھا وہ بنواری کاکا کی دلجوئی کر رہا تھا۔ اسے سمجھا رہا تھا۔ اور تسلی دے رہا تھا۔ لوگ اسے سمجھا رہے تھے کہ وہ کسی بات کی فکر نہ کرے اس کا بیٹا بے قصور ہے اور بے قصور کو کوئی پھانسی کے تختہ پر نہیں چڑھا سکتا۔ پورا قصبہ چندہ جمع کر کے اپنے بل اور بیل بیچ کر مقدمہ لڑے گا۔ اور برجموہن کو باعزت طریقہ پر عدالت سے چھڑا لائے گا۔ انصاف کے دروازے اس پر بند نہ ہونے دیئے جائیں گے۔ قانون اندھا نہیں ہے اور یہ رات اسی طرح الجھن اور پریشانیوں میں کٹ گئی۔

صبح ناشتے کی میز پر ملک چند اور پرکاش دونوں قہقہے لگا رہے تھے۔ برجموہن کی گرفتاری پر اظہار خیال کیا جا رہا تھا کہ سرتیا آ گئی اور ابھی وہ ناشتے کے لیے میز پر بیٹھی ہوئی ہی تھی کہ جاگیردار صاحب بولے۔"

"مگر یہ ہوا بہت برا۔ برجیا قصبہ کا سب سے اچھا آدمی تھا۔"

سرتیا نے NAPKIN نیپکن اٹھا کر اپنے زانوؤں پر بچھایا ہی تھا کہ پرکاش مسکرایا۔"

"مگر یہ برجموہن کو آخر سوجھی کیا۔"

"کیا ہوا ڈیڈی" ۔ برجموہن کے نام پر سرینیا چونک پڑی ۔ "کوئی خاص بات ہوئی ہے۔"

کوئی خاص بات تو نہیں" پرکاش نے سرینیا کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر کہا۔ "ذرا بوہنی تفریحاً برجموہن صاحب نے خون کر دیا ہے۔"

کس کا خون ۔؟ سرینیا نے گھبرا کر سوال کیا۔

راجپال کا خون ۔ جاگیردار صاحب بولے "برا ہوا۔"

کس نے کیا راجپال کا خون؟ سرینیا کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"برجموہن نے" پرکاش طنزاً مسکرایا۔

"اس غنڈے سے اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا" سرینیا یکبارگی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"برجموہن کسی کا خون نہیں کر سکتا"

"وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے" پرکاش نے نفرت سے کہا۔ "وہ مقتول کے پلنگ کے پاس ہی خون میں لت پت کھڑا تھا۔"

"ضرور اس میں کوئی چال ہے۔"

سرینیا بیحد پریشان ہو کر کمرے سے باہر لپکی

"میں ابھی جاتی ہوں۔"

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" جاگیردار صاحب گرجے۔

"تم ایک قاتل کے پاس جا رہی ہو۔ کیا کرو گی آخر۔"!

"برجموہن ہرگز قاتل نہیں ہے۔"

سرینیا نے نفرت کے ساتھ اپنے باپ اور بھائی کو دیکھا اور مزید کسی بات کا

انتظار کیئے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کیا بیہودگی ہے یہ سریتا بچہ کا نش پہنچا

"کیا تم ہمارے خاندان کی عزت پر تھوک کر ہی چین لوگی۔"

اور وہ سریتا کے پیچھے لپکا۔ مگر اتنی دیر میں وہ تیزی کے ساتھ پورا ہال پار کر کے اپنی PLAY MOATH تک پہنچ گئی۔ کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز کے ساتھ ہی جاگیردار صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے کہ کسی نے ان کے چٹکی لے لی ہو۔ پرکاش کھڑا ہونٹ چباتا رہ گیا۔ اور سریتا کی کار گرد کا طوفان اڑاتی ہوئی اسی میں نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔

"مجھے افسر انچارج سے ملنا ہے۔"

جی — اتنا ہی کہ چپراسی نے کھڑے ہو کر سلیوٹ کیا۔

جی۔! چپراسی بولا۔ "داروغہ جی اندر ہیں۔"

اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ اور سریتا تیزی کے ساتھ کمرے کے اندر داخل ہو گئی۔ داروغہ جی اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔

"رحیمو بن کہاں ہے۔" وہ جاتے ہی بولی۔

"کس جرم میں تم لوگ اسے پکڑ کر لائے ہو۔" اس نے سوال کیا۔

"اس پر قتل کا الزام ہے۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔" سریتا غصہ سے بھنّا کر بولی۔

"تم نے دیکھا ہے اسے قتل کرتے ہوئے؟"

جی نہیں — مگر —"

کیا مگر — کسی نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے لاؤ تو ذرا اسے میرے سامنے

مگر —" داروغہ رک رک کر بولا —

جرم سنگین ہے — اور ہم مجبور ہیں —"

چھوڑو — !" سنیتا سنجیدگی سے بولی —

کہاں ہے برجموہن چلیے مجھے اس کے پاس — میں اس سے ملنا چاہتی ہوں —"

اسے پولیس کی نگرانی میں ضلع کی عدالت میں پیش ہونے کو بھیج دیا گیا ہے — وہ یہاں نہیں ہے —"

سنیتا بغیر کسی جواب کے تیزی سے بھاگتی کمرے سے باہر نکلی اور وہ لپک کر اپنی کار کا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھنے جا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ابراہیم چاچا اور بدری کاکا پر پڑی جو اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے ان دونوں کے پیچھے دس بیس دیہاتی اور کھڑے تھے —

" آپ لوگ فکر نہ کیجیے چاچا وہ کار کے دروازے کو چھوڑ کر ان لوگوں کے نزدیک آ گئی — میں ہر قیمت پر برجموہن کو موت کے منہ سے بچا لوں گی —"

وہ بڑے عزم کے ساتھ کہہ رہی تھی —

بالکل فکر نہ کیجیے آپ لوگ، برجموہن بے قصور ہے — اس کا یقین ہے مجھے اور اگر ایشور نے چاہا تو اسے ایک دن کی بھی سزا نہ ہونے پائے گی —

بنواری بے حال ہے رانی بٹیا — ابراہیم چاچا رقت آمیز لہجے میں بولے —

اسے غشی پر غشی آ رہی ہے —"

آپ لوگ بنواری چاچا کو لے کر ابھی لاری کے ذریعہ شہر آ جائیے — میں وہیں جا رہی ہوں ہم ضلع کی عدالت میں ملیں گے — مجھے اس بات کا یقین ہو رہا ہے کہ ضرور

تھانے والوں نے اُسے شہر بھیجدیا ہوگا اور ان لوگوں نے اسے شہر بھیجدیا ہے۔ مجھے جلدی ہے،، اور یہ کہہ کر سرنیتا بغیر کسی کے جواب کا انتظار کئے ہوئے اپنی کار پر بیٹھکر روانہ ہوگئی اس کی کار بڑی تیزی کے ساتھ شہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ پچیس تیس چالیس پینتالیس اور پچاس میل کی رفتار سے۔ . . . .

سرنیتا نے کار کے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے بڑی زور سے اپنا نچلا ہونٹ دبایا بھیا اتنے کمینے ہو سکتے ہیں ۔۔،،

وہ بڑبڑائی اور اس کی کار تیر کی سی تیزی کے ساتھ شہر پناہ کے پھاٹک کے اندر سے گذر گئی۔ سامنے ہی چوراہا تھا اور ٹریفک پولیس نے اس کا راستہ روک رکھا تھا اس نے گاڑی میں بھرپور بریک لگایا اور اس کی کار ایک زور کے جھٹکے کے ساتھ شور مچا کر کھڑی ہو گئی

ٹریفک کے سپاہی نے اسے غور سے دیکھا۔ دوسری طرف سے ٹریفک کا سلسلہ ہنوز جاری تھا کہ سرنیتا نے بےچین ہو کر زور زور ہارن بجانا شروع کر دیا۔ وہ ٹریفک پولیس سے اصرار کر رہی تھی کہ جلد سے جلد اسے پاس ہونے کا موقع دیا جائے اور پولس کے سپاہی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے تھوڑا سا اور صبر کرنے کو کہا۔

"MAKE HASTE" وہ جھنجھلا کر بولی۔

اور ٹریفک پولیس نے ذرا سا مسکرا کر دوسری طرف کے ٹریفک کو روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

THANKS سرنیتا نے سپاہی کے پاس سے گذرتے ہوئے کہا۔ اور جھٹ سے اس کے ہاتھ میں ... روپیہ کا ایک نوٹ رکھتے ہوئے پاس ہو گئی۔ مسکرا کر سپاہی نے اسے سلام کیا۔ اور سرنیتا کی کار اتنی دیر میں صاف سڑک پر سے پھسل کر دور پہنچ گئی تھی۔۔،،

کار سے باہر نکلتے ہوئے سریتا نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ دس بج چکے تھے وہ لپک کر ایک بلڈنگ میں داخل ہو گئی اور پھر بڑی تیزی کے ساتھ زینے طے کرنے لگی۔ اور جب وہ تیسری منزل پر پہنچ کر ایک کمرے کے سامنے رکی تو اس کا سانس پھول رہا تھا وہ بیگ سے رومال نکال کر پسینہ پونچھتے ہوئے پارٹیشن ہٹا کر اندر داخل ہو گئی اندر آدمیوں کا ہجوم تھا۔"

مس قدوائی کہاں گئیں"

ایک مرد نے بڑے ادب سے کھڑے ہو کر سلام کیا۔

تشریف رکھیے آپ مس سریتا۔ وہ ابھی تشریف لاتی ہیں"

ہیں کہاں۔"

سریتا نے اضطراب کے عالم میں سوال کیا۔

مجھے بہت ضروری اور اہم بات کرنی ہے ان سے"

کہ اتنے میں مس قدوائی مسکراتی ہوئی دوسرے کمرے سے باہر آئیں۔

کونسی اہم بات ہے سریتا۔

وہ آگے بڑھ کر سریتا سے لپٹ گئی۔

ایک بے قصور کے مقدمے کی پیروی کرنی ہے انہیں بیرسٹر صاحب جن پر خون کا الزام لگایا گیا ہے"

"اچھا۔" مس قدوائی مسکرائیں"

کون ہے وہ خوش نصیب۔"

مذاق چھوڑو چلئے۔ سریتا نے مس قدوائی کو جھنجھوڑ ڈالا

"جلدی کرو۔"

"آخر معاملہ کیا ہے۔"

کورٹ تو چلو تم —" مسز تیا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں
معاملہ ہی پیچیدہ ہے — اور پولیس اس بے قصور کو عدالت میں گھسیٹ لائی
ہے —" کہیں پرکاش بھیا تو نہیں ہیں اپنے"

"نہیں —"

"پھر —"

"مر د بھی تو تم یہاں سے" مسز تیا نے سلمٰی کو دھکا دیا۔

"پیچھے میری گاڑی کھڑی ہے — راستہ میں سب کچھ بتا دوں گی"

"اچھا بھئی —"

سلمٰی (مسز قدوائی) نے اپنے وکیلوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ لوگ موکلوں کو لیکر کورٹ چلیے — بس اس کام سے فارغ ہو کر وہیں آتی ہوں
اگر مجھے دیر ہو جائے تو ملاقات کے نمبروں کی ترتیب آگے بڑھا دیجئے گا —"

"جی — بہت بہتر" وکیل الخارج نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

اور مسز تیا سلمٰی کو گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔

"ارے پگلی تو تو اڑ رہی ہے" سلمٰی نے احتجاج کیا۔

"مگر زینے پر سے سراپا کل پھسل گیا —"

"محترمہ بہت غریب آدمی ہے بیچارہ — وہ تنہا ہے — اس کے لیے کوئی کا
انتظام نہ ہو سکا ہو گا —"

سوتیا بغیر ایک قدم رکے ہوئے بولی —

"بیچارہ — کتنا برا حال ہو رہا ہوگا غریب"

پر وہ ہے کون

"وہ میرے قصبہ کا ایک پڑھا لکھا اور ہونہار نوجوان ایک غریب کاشتکار کا اکلوتا بیٹا ہے

"وہ یوں —" سلمیٰ نے سوچا

"برجوہن تو یہاں سب جسے شاہد دو سال پہلے امتیاز کے ساتھ یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہے۔"

"ہاں وہی —" مرتیا بولی۔

"پر تمہیں کیسے معلوم ہے؟"

"ایک بار تم نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔"

"مگر معاملہ کیا ہے" سلمیٰ نے مقدمہ کی معلومات چاہیں

مرتیا آخری زینہ اتر کر اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"راستہ میں ہی تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔ جو مجھے معلوم ہے۔"

دونوں کار میں بیٹھ گئیں۔ اور مرتیا نے بڑی جلد بازی اور ہوشیاری سے کار کو گھما کر سیدھی سڑک پر دوڑا دیا۔

پولیس برجوہن کو عدالت کے سامنے پیش کر چکی تھی۔ کاغذات عدالت کی میز پر رکھے ہوئے تھے کہ میز پہ جھکے جھکے مجسٹریٹ نے کاغذات پر سے نگاہیں اٹھا کر برجوہن کو دیکھا۔ اور پھر اس نے سوال کیا۔

"پولیس کی تحقیقات مکمل ہو چکی ہے"

[illegible] ایر پورٹ کے تھانے سے جو رپورٹ آئی ہے وہ مکمل ہے اور شہر کی سپیشل پولیس برانچ کی تحقیقات جاری ہیں۔

"رہوں ۔!" مجسٹریٹ نے برجموہن کیطرف بغور دیکھکر سوال کیا ۔

"YOUR COUNSEL IS PRESENT" (تمہارا کوئی وکیل ہے)

اور جواب میں کوئی جواب نہ دیکر غریب برجموہن نے بڑی ہراساں حالت نظریں ادھر اُدھر اٹھائیں اور پھر مجسٹریٹ کی طرف دیکھکر نظریں نیچے جھکالیں جیسے کہہ رہا ہو کہ سوا خدا کے میرا کوئی نہیں ہے ۔ وہی میرا وکیل ہے اور وہی میرا گواہ کہ اچانک لیڈی بیرسٹر مس فاطمی کی نقرئی آواز عدالت میں گونجی ۔

"یور ورشپ" وہ مجسٹریٹ سے مخاطب تھی ۔

میں ملزم کی طرف سے اس مقدمہ کی ڈیفنڈر ہوں ۔"

بڑی حیرت کے عالم میں برجموہن نے اپنے وکیل کو دیکھا اور لیڈی بیرسٹر نے اپنے کاغذات عدالت کے روبرو پیش کئے ۔

"میں اس مقدمہ کی تیاری کے سلسلہ میں عدالت سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ مجھے بغیر کسی مزاحمت کے ملزم سے ملنے جلنے کی اجازت عطا فرمایئے ۔"

وہ دوبارہ بولی ۔

"یور ورشپ ! یہ مقدمہ پیچیدہ ہے اور اس کے لیے مجھے تیاری کے سلسلہ میں ہر امکانی ہر سہولت کی ضرورت ہے اور میں اس سلسلہ میں بلا روک ٹوک ملزم اور اس کے متعلقہ حالات سے دوچار ہونا چاہتی ہوں ۔"

سرکاری وکیل اس پر کچھ بولنے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ مجسٹریٹ نے حکم سنایا ۔

"لیڈی بیرسٹر مس فردوسی کو ہر قسم کی جائز تحقیقات کی پوری اجازت ہے ۔"

"مجھے اس تحقیقات کے لیے وقت کی ضرورت ہوگی ، یور ورشپ ۔"

"اس ماہ کی چھبیس تاریخ آپ کو سوٹ کرے گی ۔ مجسٹریٹ نے کلنڈر پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا ۔ TODAY IS TWENTY FIRST (آج اکیس تاریخ ہے)

"END OF NEXT MONTH YOUR WORSHIP"

(اگلے مہینے کی دو تاریخ حضور) مس قدوائی نے التجا کی۔

مجسٹریٹ نے END OF NEXT MONTH منظوری دیتے ہوئے کاغذات پر کچھ دیکھ کر اپنے دستخط ثبت کئے۔

پولیس برجموہن کو ملزم کے کٹہرے سے باہر لے آئی اور اس نے شرمسار نظروں سے سرتیا کی طرف دیکھ کر اپنی نظریں نیچے جھکا لیں۔ پولیس برجموہن کو لیکر چلی گئی اور پھر ملنے اور سرتیا برجموہن سے ملنے کے لئے عدالت کے کمرے سے باہر نکلیں باہر ابراہیم چاچا۔ بدری کاکا اور تواری قصبہ کے کچھ اور لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔ وہ سب کے سب سرتیا کی طرف دوڑ پڑے۔

"کیا ہوا رانی بٹیا ـــ؟" تواری روتا ہوا سرتیا سے مخاطب ہوا۔

"سب ٹھیک ہو گا چاچا ـــ" مسز الفا نے تسلی دی۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔"

اور پھر وہ ان سب کو اپنے ساتھ لیکر سالنے کی معیت میں برجموہن سے ملنے کیلئے پولیس اسٹیشن روانہ ہو گئی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر بیرسٹر مس قدوائی نے انسپکٹر کے ضروری کاغذات پر دستخط کئے۔ اور پھر ان لوگوں کو ملزم سے ملنے کی اجازت مل گئی۔ وہ پولیس کانسٹیبل کیساتھ وہ لوگ لاک روم کی طرف گئے۔

تواری رو کر اپنے بیٹے سے لپٹ گیا۔ اور زار و قطار رونے لگا۔ برجموہن کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے مگر وہ بڑے استقلال کیساتھ اپنے باپ کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"گھبراؤ مت باپو۔ ایشور نے چاہا تو میں ضرور چھوٹ جاؤں گا۔ یہ الزام سراسر غلط لگایا گیا ہے میرے اوپر۔"

وہ دیر تک اسی قسم کی باتوں سے اپنے باپ کو سمجھاتا رہا۔ اور پھر اس نے سرتیا کا شکریہ ادا کیا۔ "سرتا دیوی!" وہ بولا۔ "میں آپ کی ان مہربانیوں کو زندگی بھی یاد رکھوں گا۔ آپ نے مجھ غریب کے باپ پر اور مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔"

"کوئی احسان نہیں کیا میں نے" سرتیا متاثر کن انداز میں بولی۔

"اچھا اب تم بیرسٹر صاحب سے پورے واقعات بیان کر دو۔"

"میں گھر پر سو رہا تھا کہ اچانک ایک دلدوز قسم کی چیخ سنائی دی ۔۔۔ اس چیخ سے گھبرا کر میں نے کنڈی کھولی۔ اور ابھی کنڈی کھلی ہی تھی کہ چند آدمیوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ کئی آدمیوں نے مل کر میرا منہ بند کر لیا۔ اور مجھے کشاں کشاں کھینچ کر راجپال چاچا کے گھر میں لیکر گھس گئے۔ اور راجپال چاچا کی پلنگ کے پاس لیجا کر انہوں نے مجھے اس پلنگ پر دھکا دے کر گرا دیا۔ اور آن واحد میں وہ لوگ اس عمل کے بعد باہر بھاگ گئے۔ اور پھر باہر سے دروازے کی کنڈی لگا لی۔"

مس نندرائی نے بات کاٹی۔

"ان لوگوں کو آپ نے پہچان لیا تھا۔؟"

"جی نہیں ۔۔۔" برجموہن نے جواب دیا۔

"وہ لوگ اپنا پورا چہرہ کپڑے سے لپیٹے ہوئے تھے۔ صرف ان کی آنکھیں ذرا ذرا سی چمک رہی تھیں۔ جنہیں میں گھبراہٹ اور اندھیرے کی وجہ سے اچھی طرح دیکھ نہ سکا اور نہ پہچان سکا۔"

"پھر ۔۔۔" مس نندرائی نے برجموہن کے بیان سے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ مجھے راجپال چاچا کے پلنگ پر دھکیل کر بھاگ گئے۔ اور جب اپنے ہوش وحواس یکجا کر کے میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ تو یہ دیکھ کر میری چیخ نکل گئی کہ راجپال چاچا کی گردن کٹ کر پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھی۔ اور وہ خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان پر گر جانے کی وجہ سے میں بھی سر سے پیر تک خون میں سنا ہوا تھا۔ اور یہ منظر دیکھ کر میرے ہوش وحواس غائب ہو گئے۔ اور میں نیم بیہوش سا ہو گیا۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد کچھ لوگ اندر آ گئے اور انھوں نے مجھے پکڑ کر گھسیٹ کر باہر نکالا۔ پھر پولیس آ گئی۔ آدمی جمع ہو گئے۔ اور پھر کانسٹبل نے مجھے خونی قرار دیتے ہوئے پولیس کو حکم دیا کہ وہ مجھے پکڑ کر لیجائے۔ اور پولیس کے شکنجہ میں جکڑا ہوا پولیس تھانہ پر لایا گیا۔" "وہاں کسی قسم کا بیان آپ سے لیا گیا؟"

"جی نہیں۔" برجموہن بولا۔

"مجھ سے صرف اس قدر پوچھا گیا کہ یہ خون میں نے کیوں کیا۔ اور جواب میں میں نے صرف یہی کہا کہ یہ خون میں نے نہیں کسی اور نے مجھے پھانسنے کے لئے کیا ہے۔"

"کیا خیال ہے تمہارا سلمٰی؟" بڑی بے چینی سے سرتیا نے سوال کیا۔

"برجموہن صاحب بچ جائیں گے؟"

"یقیناً۔" بڑے وثوق کے ساتھ لیڈی برسٹر مس ندوائی نے جواب دیا۔

"مگر چھان بین اور محنت بہت کرنی پڑے گی۔ مجرم چالاک ہیں اور ان کی چالاکیوں کی نقاب کشائی ذرا اہم ہے۔"

"میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی بہن۔" سرتیا اضطراب کے عالم میں بولی۔

"جو کچھ ہوگا میں کروں گی۔"

اور یہ کہہ کر وہ اپنے ہاتھ کی انگلی سے ہیرے کی ایک بیش قیمت انگوٹھی اور اپنی ہیرے کی چوڑیاں اپنے ہاتھوں سے اتارتے ہوئے بولی۔

"یہ انعام قبول کر لو۔"

"دادو!" سلمیٰ نے سرتیا کے گال پر ایک ہلکی سی چپت لگائی ہے۔ اور اُن کی یہ چیزیں اُسے واپس کرتے ہوئے بولی —

"اگر فیس دینی ہو تو شہر میں اور بیرسٹر بھی موجود ہیں۔"

"آپ فیس کی فکر نہ کیجئے رانی بٹیا۔" چودھری ابراہیم چاچا بولے۔

"پورا قصبہ ہمارے ساتھ ہے بٹیا —" ہم لوگ اس مقدمہ کیلئے اپنی جان تک لگا دینگے۔ جتنا روپیہ لگے گا لگائیں گے۔ ہم لوگ بربو بیٹے کے لئے اپنے ہل اور بیل تک نیلام پر چڑھا دیں گے بٹیا۔ روپیہ کی فکر آپ نہ کیجئے۔ آپ کا اتنا بڑا احسان کیا کم ہے۔ جیون بھر ہم لوگ آپ کے اس اپکار سے سر نہ اٹھا سکیں گے۔

اور پھر وہ سب اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گئے۔

"آپ دیوی ہیں رانی بٹیا — دیوی کا بس نے رادھکشش کے گھر جنم لیا ہے۔" بدری کاکا بولے "بھلا کیجئے گا بٹیا — مگر آپ کے پتا، یعنی ہمارے جاگیردار صاحب —"

اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا اور سرتیا بولی —

"آپ لوگ میرے ڈیڈی کے بارے میں جو کہہ رہے ہیں سب ٹھیک ہے۔"

کہ اتنے میں سلمیٰ بولی —

"آپ لوگوں کو بالکل فکر کی ضرورت نہیں۔ اس مقدمہ کے لئے بو گیگا وہ میں لگا دونگی سرتیا میری بہن ہے۔"

"جگ جگ جیو بٹیا۔" بنواری سیٹھ کے پیروں پر گر پڑا۔

"آپ جس طرح بھی ہو میرے لال کو بچا لیجئے۔" بنواری زار و قطار رو رہا تھا۔ "جیون بھر آپ کا داس رہوں گا۔"

سلمیٰ اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔

"آپ میرے پتا سمان ہیں۔ مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔"

کہ اتنے میں انسپکٹر آگیا۔

"معاف کیجیے گا۔ بیرسٹر صاحبہ۔ وقت زیادہ ہو چکا ہے"

"اچھا! ہم چلتے ہیں"

اور پھر یہ لوگ واپس مڑے۔ چلتے چلتے سریتا نے برج موہن کی ہر طرح تسلی و تشفی کی۔ اور اس کی ڈھارس بندھائی کہ وہ بالکل ہراساں نہ ہو۔ وہ اس کے ساتھ ہے۔ اس کی بچپن کی سہیلی سلمٰے جو شہر کی سب سے زیادہ مشہور بیرسٹر ہے اس کے مقدمہ کی پیروی کر رہی ہے۔ اور ہزاروں آدمی اس کے ہمدرد ہیں۔ پورا قصبہ اس کے ساتھ ہے۔

اور چلتے چلتے اس نے یہ بھی کہا کہ فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ حراست میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے گی۔ وہ ہر جائز و ناجائز آسائش کا انتظام اس کے لئے کر دے گی۔

بیرسٹر مس قدوائی نے اس مقدمہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں کچھ دیر تک انسپکٹر پولیس سے گفتگو کی۔ اور پھر وہاں سے سی۔ آئی۔ ڈی آفس گئیں۔ اور اس مقدمہ کی بابت سی آئی۔ ڈی۔ انسپکٹر مسٹر شیخ سے مشورے کئے۔

اور پھر سریتا کے ساتھ اپنے دفتر واپس آئیں۔ قصبہ کے تمام لوگوں کو سریتا نے رخصت کیا۔ صرف بنواری چاچا۔ ابراہیم اور مراری کا کا رہ گئے۔ طے یہ ہوا کہ اب سے دو گھنٹے کے بعد۔ یہ لوگ اس مقدمہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں ہیرپور روانہ ہو جائیں گے۔

مس قدوائی نے اس مقدمہ کی پوری چھان بین کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر مسٹر شیخ نے اس مقدمہ کے سلسلہ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لی۔ اور پوری طور پر چھان بین کی۔ راجپال کے گھر سے کئی چیزیں ایسی برآمد ہوئیں جو اس مقدمہ کے سلسلہ میں کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں۔ راجپال کے پلنگ کے پاس سے ایک ہاتھ کی گھڑی ملی جو پیروں کے نیچے آکر ٹوٹ گئی تھی۔ مگر اس کی سوئیاں صحیح سلامت تھیں۔ اور وہ ایک خاص وقت پر آکر بند ہوں پر رک گئیں تھیں۔ راجپال کے پیچھے کی طرف دیوار سے ایک رسی لٹک رہی تھی جو ڈیڑھ فٹ کی تھی اور اس کا اوپر کا حصہ چھت کے کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے نیچے سے اس رسی کو زور کے جھٹکے کے ساتھ کھینچا ہے۔ اور وہ اس جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ رسی کے اوپری حصہ پر کسی کے ہاتھوں کی سرخی مائل چھاپ تھی۔ نامکمل سی دھندلی سی چھاپ

مقتول کے پلنگ پر سے پولیس کو سو سو کے دو نوٹ ملے تھے جن پر خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جو بڑی آسانی کے ساتھ اصلی مجرم کا پتہ بتا سکتی تھیں"

سی۔ آئی۔ ڈی کے کام آسکتی تھیں۔

اور اب یہ تمام چیزیں پولیس کے قبضہ میں تھیں۔ پورے ایک ہفتہ کی دوڑ دھوپ اور چھان بین کے بعد بیرسٹر سلمیٰ کی کوششوں سے یہ چیزیں ہاتھ لگیں تھیں۔
اور وہ ان چیزوں کے ہاتھ آجانے پر بیحد مسرور تھیں۔ اس نے اپنے کیس کی تیاری تقریباً مکمل کرلی تھی۔

جاگیردار صاحب اس مقدمہ کے سلسلہ میں سرتیا کی حد سے بڑھی ہوئی دلچسپیوں سے بیحد خفا تھے۔ وہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی گاؤں کے ان ذلیل کاشتکاروں کے لئے اپنی اس قدر دلچسپی کا اظہار کرے۔ وہ تو خوش تھے کہ ان کے راستے کا ایک سب سے بڑا کانٹا برجموہن راجپال کو قتل کر کے اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ اور سرتیا اس سب سے بڑے کانٹے کو دوبارہ زندگی دلانے پر تلی ہوئی تھی۔ گویا بیٹی نہ ہوئی آستین کی ناگن ہوگئی وہ سرتیا کی ان حرکتوں پر بڑے برہم تھے۔

اور اس سلسلہ میں کئی بار ان کی اور سرتیا کی جھڑپ ہو چکی تھی۔ سرتیا ان کی بیٹی تھی۔ جوان اور پڑھی لکھی جو ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی کر چکنے کے بعد آئندہ سال بیرسٹری کے ولایت جا رہی تھیں۔ اور اس لئے ان کا بس سرتیا پر نہ چلتا تھا۔ وہ ان کی ہر بات کا جواب انہیں بڑی معقولیت کے ساتھ دیتی۔ اور ان کی کسی اس بات کو ماننے پر تیار نہ ہوتی جو نا جائز ہو۔ وہ ہمیشہ کہتی کہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ خواہ وہ غریب ہوں خواہ ملک پتی چاہے آقا ہوں اور چاہے غلام۔
وہ کہتی کہ اس طبقاتی حد بندیوں کو وہ کبھی نہیں مانتی۔ یہ سراسر لغو اور بیہودہ بات ہے

اور اپنی دانست میں جاگیردار صاحب سرتیا کی ان باتوں سے اور اس کے ان خیالات سے بیحد عاجز تھے۔

اور پرکاش تو سرتیا کی اس تگ و دو سے خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ وہ ہر لحہ سوچتا کہ سرتیا کی یہ حرکتیں ضرور اس کے حق میں کانٹے بو کر رہیں گی۔

اور آخرش ایک دن تنگ آکر وہ سرتیا سے اُلجھ پڑا۔

" تم آخر چاہتی کیا ہو ۔"

" میں مطلب نہیں سمجھی آپ کا بھیا " سرتیا اپنی سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی۔ اُس نے کنگھا اسی جگہ رکھتے ہوئے گھوم کر پرکاش سے سوال کیا

" آپ کیا چاہتے ہیں ؟"

" تمہارا برجموہن سے کیا واسطہ ہے۔"

" آپ ہوش میں ہیں ۔ ؟"

سرتیا اپنی جگہ سے اٹھکر کھڑی ہو گئی۔

" آپ کے منہ میں جو آتا ہے آپ بک دیتے ہیں ۔"

اس کے نتھنے پھول گئے تھے۔ اور اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

" آپ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ آپ اپنی بہن سے باتیں کر رہے ہیں ۔"

" دیکھو سرتیا ۔ پرکاش بھیگی بلی بن کر گویا سمجھانے کے طور پر بولا۔

" برجموہن مجرم ہے۔ خونی ہے وہ ۔ اور اس کے ساتھ تمہاری یہ ہمدردیاں ہمیں سارے زمانے میں رسوا اور بدنام کر رہی ہیں ۔"

" برجموہن مجرم نہیں ملزم ہے۔ اور اس پر اتنا بڑا الزام لگانے والی صورتوں پر سے جلد ہی نقاب اٹھنے والی ہے ۔"

سرتیا نفرت سے ناک سکوڑ کر بولی۔

"اور یہ میں دیکھوں گی کہ اس وقت سارے زمانے میں کس کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے"

اس نے پرکاش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جو یہ جملہ ادا کیا تو پرکاش کی نظریں چور بن کر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں اور لاکھ کوشش کے باوجود اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس نے ڈھیٹ بن کر سوال کیا۔

"تمہیں برجموہن سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ وہ میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ شریف ہے۔ ذہین ہے اور بے قصور ہے بیچارا۔ اور اس کا خون ایشور نہ کرے ناحق ہو جائے۔"

یہ بات میں مرتے مرتے بھی برداشت نہ کروں گی۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ بے قصور ہے؟"

"اسے میں بچپن سے جانتی ہوں اسلئے،" سرتیا بولی "اور پھر اس کو گنگن کو آرسی کیا ہے۔ آپ بھی دیکھ لیجئے گا کہ میرا خیال کہاں تک درست ہے۔"

"خیر کچھ بھی ہو" پرکاش نے لاجواب ہو کر اپنی پیشانی پر شکن ڈال لیں۔

"میں تمہاری اتنی بڑھی ہوئی آزادی کے حق میں نہیں ہوں۔"

"آپ کے حق میں ہونے یا نہ ہونے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا" سرتیا نے منہ بنا کر کہا۔

"اور یہ اس لئے کہ اپنے حق کو میں آپ پہچانتی ہوں"

"تو گویا تم اتنی خود رائی ہو گئی ہو کہ تم نے باپ اور بھائی کو بھی ٹھوکر پر مار دیا ہے۔"

"میں نے باپ اور بھائی کو ٹھوکر پر کبھی نہیں مارا۔ البتہ پڑھ لکھ کر اپنے حقوق کی حفاظت ضرور سیکھ لی ہے میں نے۔"

"تم آج سے گھر سے باہر بھی قدم نہیں نکالو گی۔" پرکاش غصے سے چیخ کر بولا۔

"یہ میرا حکم ہے۔"

"ہنہ۔" سرتیا نے نفرت بھری نظروں سے پرکاش کو دیکھا۔

"بڑے آئے حکم چلانے والے۔"

"میں تمہارا خون کر دوں گا۔"

"کیا ابھی ایک خون سے جی نہیں بھرا آپ کا؟"

"کیا بکتی ہے تو ۔۔۔"

پرکاش غصے سے آگ بگولہ ہو کر سرتیا کی طرف بڑھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرتیا کے گال پر ایک زور دار طمانچہ لگائے۔ کہ وہ ایک طرف کو ہٹتے ہوئے بولی ۔۔

"خبردار اگر تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ۔۔"

وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔

"تمہاری اتنی جرأت کہ تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ ۔۔۔ اب تک میں بڑے بھائی کے ناطے تمہارا احترام کر رہی تھی۔ ورنہ کب کے تم جیل کی ہوا کھاتے ہوتے۔ تمہاری ساری کمینگی میرے سامنے روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ دور ہو جاؤ میرے سامنے سے۔ کیا تو نے مجھے کوئی گنوار جاہل دیہاتن لڑکی سمجھ رکھا ہے؟ میں تیرے اس ہاتھ کو مروڑ کر پھینک دوں گی جو مجھ پر اٹھا ہے۔ کمینہ کہیں کا۔ لفنگا ۔۔"

شور کی آواز سن کر کئی ملازم اور جاگیردار صاحب اوپر کے کمرے میں آگئے۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ سرتیا کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ اور غصہ سے لال بھبھوکا بنی ہوئی تھر تھر کانپ رہی ہے۔

"کیا بات ہے۔" جاگیردار نے پوچھا۔

"یہ آپ کے صاحبزادے صاحب کمینوں کی طرح مجھ پر ہاتھ اٹھانے چلے تھے۔"

سرتیا رو کر بولی۔

"کاش یہ میرا بھائی نہ ہوتا۔ تو میں ابھی مزہ چکھا دیتی اسے اس کی اس کمینگی کا۔"

"یہ کیا بیہودگی تھی پرکاش۔"

جاگیردار نے غمگیں نظروں سے پرکاش کو دیکھا۔

"یہ آخر تمہیں سوجھی کیا تھی ؟"

اور کوئی جواب نہ دے کر پرکاش وہاں سے کھسک گیا۔ سرتیا اپنی مسہری پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور جاگیردار اسے تسلی دینے لگا۔ اسے مناتے اور پھسلانے لگا۔

"میری بیٹی --- میری رانی بیٹیا۔ بھول جاؤ بھائی کی حرکتوں کو۔ بڑا نالائق ہے وہ ---"

آج عدالت میں برجموہن کے مقدمہ کی پہلی پیشی تھی۔ عدالت کا کمرہ تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سرتیا موجود تھی۔ قصبہ کے بہت سے آدمی آئے ہوئے تھے۔ پولیس نے مقدمہ کے سلسلہ میں واردات قتل کے بعد موقع پر موجود رہنے والے گواہوں کو بھی سمن بھیج کر بلوایا تھا۔ پرکاش بھی تھا اور جاگیردار کے کارندے بھی تھے۔ ہکم چند بھی تھا اور دو ایک اس کے گرگے بھی تھے۔

نبواری کی بری حالت تھی۔ رودرد کرائس نے اپنی آنکھیں سجا لی تھیں۔ ابراہیم چاچا اور بدری کاکا اسے سنبھالے ہوئے تھے۔

لیڈی بیرسٹر مس تلدوائی مقدمہ کے ضروری کاغذات کی فائل اپنے سامنے رکھے ہوئے سب سے اگلی رو میں موجود تھیں۔ وہ اس وقت بھی اپنے کاغذات کا مطالعہ بڑے انہماک سے کر رہی تھیں کہ مجسٹریٹ ڈائس کے پچھلے دروازے سے برآمد ہوا۔ تمام لوگ احتراماً اپنی اپنی جگہوں پر سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

مجسٹریٹ کے کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد لوگ اپنی اپنی جگہوں پر دوبارہ بیٹھ گئے۔ چپراسی نے فائل مجسٹریٹ کے سامنے بڑھا دی۔ اور اس نے فائل پر ایک نظر ڈالکر ایک نظر پورے کمرے پر ڈالی۔

پیشکار نے ایک کاغذ ایک آدمی کی طرف بڑھایا۔ اور اس آدمی نے کاغذ کو ایک بار غور سے دیکھ کر آواز لگائی۔

"ایم نمبر ایک سو پانچ۔ مقتول راجپال — برجموہن"

اور پولیس نے اپنی نگرانی میں برجموہن کو لاکر عدالت کے سامنے کھڑا کر دیا۔

بنواری نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور وہ چیخ مار کر رو پڑا۔ مجسٹریٹ نے بنواری کی طرف دیکھا چپراسی نے اپنے ہونٹوں پر کلمے کی انگلی رکھ کر ایک زوردار "شی" کی آواز لگائی ایک شخص بولا —— "آرڈر —— آرڈر ——"

اور ادھر کئی آدمیوں مل کر بنواری کو تسلی دی۔ اسے چپ رہنے کو کہا۔ مجسٹریٹ نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

بیرسٹر مس قدوائی نے کھڑے ہو کر عدالت کو مخاطب کیا —

"YOUR WORSHIP. میں ملزم کی ڈفنڈر ہوں جس پر قتل کا الزام لگایا گیا ہے۔"

"یس" مجسٹریٹ نے بغیر نظر اٹھائے کاغذات پر جھکے جھکے کہا۔

"یور ورشپ!" مس قدوائی نے مقدمہ کی کارروائی شروع کی۔

"ملزم پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اپنے پڑوسی مقتول راجپال کو رات کے ڈیڑھ بجے اس کے گھر میں گھس کر اسے سوتے میں قتل کر دیا۔"

"یس" مجسٹریٹ لیڈی بیرسٹر کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"اور ثبوت یہ پیش کیا گیا ہے کہ گنڈاسا ملزم کا تھا نیز یہ کہ اسے کئی گواہوں نے دیکھا ہوگا۔

میں مقتول کی چارپائی کے پاس اس وقت پکڑا گیا جبکہ مقتول دم توڑ چکا تھا۔ اور ملزم اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

YES

"یور ورشپ!" لیڈی بیرسٹر نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھا۔

اور میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ ملزم بالکل بے قصور ہے۔ وہ واردات کے وقت اپنے مکان کی دہلیز میں بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ مقتول چونکہ اس کا پڑوسی تھا لہٰذا اس کی خوفناک اور کربناک چیخ کی آواز سن کر ملزم سوتے سے چونک پڑا اور ابھی اس کے ہوش و حواس یکجا بھی نہ ہونے پائے تھے کہ کئی آدمیوں نے بڑے زور زور سے اس کے دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا اور جب گھبرا کر اس نے کنڈی کھولی تو آن واحد میں کئی آدمیوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور وہ لوگ اس کا منہ بند کر کے اسے کشاں کشاں کھینچ کر مقتول کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اور مقتول کی پلنگ کے پاس پہنچ کر انہوں نے ملزم کو مقتول کی لاش پر جو کہ خون میں شرابور تھی دھکیل دیا۔ اور یہ کام انجام دے کر وہ سب کے سب بجلی کی سی تیزی کے ساتھ مکان سے باہر نکل گئے۔ اور مکان کی کنڈی باہر سے بند کر دی گئی۔

اور اس عرصہ میں خون میں ڈوبی ہوئی لاش دیکھ کر ملزم کے ہوش و حواس جاتے رہے وہ گم سم سکتے کے عالم میں اسی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا ——— اور پھر پولیس کے آنے سے قبل جاگیردار صاحب کے صاحبزادے صاحب تشریف لے آئے۔ اور ان کے حکم پر قصبہ کے پہرے دار نے مقتول کے مکان کی کنڈی جو کہ باہر سے بند تھی کھولی۔ اور وہ سب لوگ اندر داخل ہو گئے۔ اور وہاں ملزم کو کھڑا دیکھ کر ان لوگوں نے ملزم کو پکڑ لیا اور اسے گھسیٹ کر باہر لے آئے۔

اور پھر پولیس آ گئی۔ اور ملزم کو حراست میں لے لیا گیا۔

"ملزم نے ان لوگوں کو پہچانا تھا جو اسے پکڑ کر مقتول کی لاش پر دھکیل گئے تھے۔"

سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر جرح کی۔

نہیں یور ورشپ ۔۔۔ مس تدوائی نے جواب دیا۔

"جرم کرنے والے اتنے بیوقوف نہیں ہوتے کہ وہ اپنا چہرہ کھلے بندوں دکھاتے پھریں"

لیڈی بیرسٹر کے ہونٹوں پر ہنسی کھل گئی۔

قابل سرکاری وکیل کو یہ بات خود ہی جان لینی چاہیئے تھی کہ وہ سب کے سب اپنے چہروں پر ڈھاٹا چڑھائے ہوئے تھے"

"آنکھیں تو دکھائی دے رہی ہونگی"

سرکاری وکیل نے جرح کی۔

"آنکھیں اگر تھوڑی بہت ڈھکی نہیں ہوئی ہوں تو اتنی گھبراہٹ اور اندھیری رات میں وہ کسی طرح بھی پہچانی نہیں جا سکتیں"

لیڈی بیرسٹر نے بڑے تمسخرانہ انداز میں سرکاری وکیل کو جواب دیا۔

اور وہ پھر مجسٹریٹ کی طرف مخاطب ہوئی۔

"یور آنر! یہ مقدمہ محض بکواس ہے۔ اور محض ملزم کو پھانسنے کے لئے غریب مقتول کا خون بہایا گیا ہے۔

"یہ بھی عجیب بات ہے کہ کوئی کسی کو پھانسنے کے لئے کسی اور کا خون بہائے"

سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر پھر اعتراض کیا۔

"یور ورشپ!" لیڈی بیرسٹر سرکاری وکیل کے اس اعتراض کا جواب ضروری نہ سمجھ کر مجسٹریٹ سے مخاطب ہوئی۔

یہ مقدمہ بہت ہی کمزور ہے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ حضور والا کو اپنا زیادہ وقت نہ ضائع فرما کر اسے ابھی ایک ہی پیشی میں خارج کرنا پڑے گا۔ اور پھر ایک ہی دو گھنٹوں میں اندر اندر ایک مکمل ثبوت کے ساتھ ہی اصلی قاتلوں کا پتہ بھی اسی وقت چل جائے گا جو اصل مجرم بھی ہیں۔

اور اس وقت اسی عدالت کے کمرے میں اپنے چہروں پر شرافت کی نقاب ڈالے ہوئے موجود ہیں۔"

اور لیڈی بیرسٹر کے اس کہنے کے ساتھ ہی کئی ایک چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور وہ لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے جیسے کہ موقع ملتے ہی فرار کی راہیں نکال رہے ہوں

"عدالت اجازت دیتی ہے۔ کہ تم جس پر بھی چاہے اپنی جرح شروع کرو۔"

مجسٹریٹ نے لیڈی بیرسٹر کی باتوں سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور لیڈی بیرسٹر نے کہا۔

"یور ورشپ! میں سب سے پہلے اس مقدمہ کے خصوصی گواہ حکم چند سے چند سوالات کرنا چاہتی ہوں۔"

"حکم چند کو حاضر کیا جائے۔" مجسٹریٹ نے حکم دیا۔

اور سپاہیوں کے دھکا دینے پر مری ہوئی چال کے ساتھ حکم چند اپنے چہرے پر ان گنت ہوائیاں لئے ہوئے کٹہرے میں داخل ہوا ۔ اپنی جگہ سے ہٹ کر لیڈی بیرسٹر اس کے نزدیک آئی۔

"کیا نام ہے تمہارا" اس نے ڈانٹ کر سوال کیا۔

اور حکم چند اور زیادہ گڑبڑا کر ہکلاتے ہوئے بولا۔

"جی میرا نام حکم چند ہے۔"

"حکم چند ——!" لیڈی بیرسٹر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"تم پولیس کے گواہ اول ہو۔"

"جی ——!"

"کیا تم یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ ملزم برج موہن ہی نے مقتول راجپال کا خون کیا ہے ——؟"

"جی ہاں۔" حکم چند گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"میں نے اسے کئی آدمیوں کے سامنے راجپال کی پلنگ کے سرہانے سے پکڑا تھا۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ ۔۔۔۔ تمہاری گھڑی کیا ہوگئی ؟"

"کیسی گھڑی سرکار؟" حکم چند نے ہوش و حواس جمع کیے

"میں ہاتھ میں گھڑی کب باندھتا ہوں مائی باپ۔" وہ جھوٹی ہنسی ہنسا گویا لیڈی بیرسٹر کا یہ استفسار محض مذاق رہا ہو۔

"یہ تو جھوٹ کہا تم نے بھئی۔ گھڑی تو تم ضرور لگاتے ہو اور ابھی چند ہی دنوں کی تو بات ہے کہ تم نے چنی لال اینڈ کو کی دوکان سے ایک گھڑی اسّی روپے میں خریدی تھی۔"

"جی ہاں جی ہاں" حکم چند گھبرا گیا "ایک گھڑی میں نے ضرور خریدی تھی ۔"

"کیا کی تم نے وہ گھڑی؟"

"وہ میں گھر پر رکھ آیا ہوں سرکار۔ اگر کہیے تو لا کر دکھا دوں ۔"

"وہ گھڑی اتفاق سے ہمارے پاس آ گئی ہے حکم چند۔"

اور یہ کہہ کر مس سنگھ نے اس کے سامنے اپنی مٹھی کھول دی۔ ان کی ہتھیلی پر ایک گھڑی رکھی ہوئی تھی

"یہی ہے تمہاری گھڑی نہ ۔۔۔"

"اور حکم چند خاموش پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ گھڑی دیکھ رہا تھا کہ لیڈی بیرسٹر نے اس سے ڈانٹ کر کہا۔

"یہی تمہاری گھڑی ہے ۔" وہ زور سے گرجی "اگر جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو بھی تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا"

"جی ! یہ میری گھڑی ہے ۔"

حکم چند کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اس کی پیشانی پسینہ سے بھیگ گئی جسٹس کی نظروں نے حکم چند کی اس حالت کا بھی پورا جائزہ لیا۔

یور ورشپ — لیڈی بیرسٹر نے طنزیہ اور نفرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ حکم چند کی طرف دیکھ کر مجسٹریٹ کو مخاطب کیا۔

"حضور والا سے میری درخواست ہے کہ وہ اس امر کو نوٹ فرمائیں کہ حکم چند کو اس بات کا اقرار ہے کہ یہ گھڑی جو کہ میرے ہاتھ میں ہے اس کی ہے" اس نے گھڑی سامنے کی۔

"مجھے اس پر اعتراض ہے" سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر غصے سے کہا

"اس بات پر کہ یہ گھڑی حکم چند کی کیوں ہے" لیڈی بیرسٹر نے مسکرا کر برجستہ سوال کیا۔

"عدالت کے فیصلے کو درغلانے کی یہ کوشش محض فضول ہے"

سرکاری وکیل نے جواب دیا۔ اور مجسٹریٹ نے مسکرا اس کی طرف دیکھا اور وہ کچھ بڑبڑاتا ہوا بیٹھ گیا۔

یور ورشپ — لیڈی بیرسٹر جوش میں بولی۔ "اصلی قاتل برجموہن نہیں بلکہ حکم چند ہے۔"

اور وہ اپنے اس بیان کے ثبوت کے طور پر بولی —

"قتل کرتے وقت یہ گھڑی حکم چند کے ہاتھ میں تھی نہ جانے کس طرح یہ گھڑی کھس کر مقتول کے پلنگ کے پاس گر گئی — اور جب قاتل قتل کے بعد فرار ہو رہا تھا یہ اس کے پیر کے نیچے آ کر دب گئی اور یہ گھڑی کا شیشہ پاؤں کا بوجھ پڑنے سے ٹوٹ گیا تھا لہٰذا اٹھتے اور اچھلتے ہوئے خون کی ننھی ننھی بوندیں گھڑی کے ڈائل پر پڑیں اور جم کر رہ گئیں — اور پاؤں کے بوجھ سے گھڑی کی سوئیاں بھی ڈائل پر ایک خاص وقت میں آ کر جم گئیں، ٹوٹے ہوئے شیشہ پر قاتل کے قریب ... ہو سکتے ہیں نشانات ہیں اور گھڑی کی سوئیاں نو بجکر ۲ منٹ پر آ کر رک گئی ہیں اور وہ وقت جو کہ

پولیس کی رپورٹ میں درج ہے اس وقت سے اٹھائیس منٹ پہلے کا ہے۔"

عدالت کے کمرے میں سناٹا چھا گیا - اور پھر چہ میگوئیاں ہونے لگیں - سرتیا کی باچھیں کھل اٹھیں - ابراہیم چاچا نے ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکریہ ادا کیا - نواری کی آنکھیں ہنس پڑیں - پرکاش کے چہرے کا رنگ اڑ گیا - اور حکم چند نے گھبرا کر بڑی حیران نظروں سے ادھر ادھر دیکھا - اس کا خون اس کی رگوں میں جم گیا تھا -

اور ادھر لیڈی بیرسٹر نے مجسٹریٹ کو پھر مخاطب کیا -

"یور آنر یہ بات ابھی نہیں بلکہ ثبوت کے طور پر دو ایک چیزیں اور بھی موجود ہیں قانون کی زد سے قاتل حکم چند کبھی نہ بچ سکے گا اس کا مجھے یقین ہے -"

اور مزید ثبوت کے طور پر سو سو کے دو نوٹ اور ہاتھ بھر کی ایک رسی عدالت کے روبرو پیش کی گئی اور ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حکم چند کے حواس باختہ ہو گئے اور پرکاش چپکے سے عدالت کے کمرے سے کھسکنے کی سوچنے لگا اور ابھی وہ اپنی کرسی پر سے اٹھا ہی تھا کہ مجسٹریٹ نے اس کی طرف دیکھ کر حکم دیا -

"اس شخص کو پولیس اپنی کسٹڈی میں لے لے -"

اور ادھر لیڈی بیرسٹر برہمن کی صفائی پر کچھ اور بولنے والی تھی کہ ایکا ایک حکم چند بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونے لگا - وہ زور سے چلایا -

"رحم کیجئے سرکار - قصور ہو گیا مجھ سے مائی باپ - پرکاش بابو نے مجھ سے کہا تھا کہ میں راجپالی چاچا کا خون کر کے الزام برجو پر لگا دوں - اور اس کام کے لئے پرکاش بابو نے مجھے آٹھ سو روپے پیشگی دیئے تھے میں نمک خوار ہوں سرکار پرکاش بابو کا - پڑا آدمی ہوں ان کا نمک کیسے نہ حلال کرتا"

اور یہ کہہ کر وہ وٹنس باکس سے بھاگا - اور پولیس نے لپک کر اس کی گردن ناپی - عدالت میں ایک ہنگامہ مچ گیا - لیڈی بیرسٹر سلمی اپنی کامیابی پر کھڑی مسکرا

رہی تھیں۔ گاؤں والے بے بے کار کے نعرے لگا رہے تھے۔ بڑھے جوہی کی آنکھوں اپنی خوشی کے آنسو چھلک آئے تھے۔ اور اس کے ماں باپ دوڑ کر بیٹے کے قدموں سے لپٹ گئے تھے۔ پولیس کے اوسان خطا تھے اور جاگیردار صاحب زور زور سے چیخ رہے تھے۔

یہ پرکاش بالکل جھوٹا ہے۔ بڑا حرامزادہ ہے یہ حکیم بنڈو کا بچہ۔ نمک حرام۔ جھوٹا الزام لگا رہا ہے میرے بیٹے پر۔

ادھر سیتا شش و پنج کے دور سے گزر کر کبھی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ ایک طرف ساتھی کی باعزت رہائی کی خوشی اور دوسری طرف اپنے بھائی کا خیال۔ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے کہ مجسٹریٹ نے میز پر زور زور سے ہتھوڑا کھٹ کھٹ شروع کی

”آرڈر — آرڈر“

اور عدالت کے خاص پیشکار اور سپاہیوں نے گھبرا گھبرا کر مجمع کو خاموش کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

بارے خدا خدا کر کے شور تھما اور لیڈی مجسٹریٹ کی آواز سنائی دی۔

”یور ورشپ! ابھی ملزم پرتو کی صفائی میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی اور کہہ سکتی تھی۔ مگر مجھے خوشی ہے کہ عدالت کا قیمتی وقت ضائع نہیں ہوا۔ اور مجرم کی ناتجربہ کاری اور گھبراہٹ نے اپنا بھانڈا خود ہی پھوڑ لیا۔ مگر وہ چہرہ پر شرافت کی نقاب بہت زیادہ دیر تک نہ ٹک سکی۔“

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد پھر بولی

”دیکھیے پرتو تو حکم چند کے خونی ہاتھوں کی چھاپ سے اور گھڑی کے شیشے پر اس کے قریب سوئی ہونے کا نشان ہے

اور —“

لیڈی مجسٹریٹ کی بات ادھوری رہ گئی اس لئے کہ حکم چند پاگلوں کی طرح درمیان

میں چھپنے لگا تھا۔

"مگر جج نے رسی لا کر دی تھی مجھے۔ مگر جج نے دن ہی سے برجوہن کے گھر سے اس کا کاٹنے کا گنڈاسا چرا لیا تھا۔ اور وہ پکا عاشق یا بونے ــــ"

وہ ابھی کچھ اور کہتے جا رہا تھا کہ یکبارگی جاگیردار نے لپک کر اس کا منہ بند کر دیا اور اس کے منہ پر ایک زور کا گھونسہ مار کر بولا۔

"حرام زادے، خونی، بدمعاش، اب جھوٹے الزام لگا رہا ہے میرے بیٹے پر۔ خبردار جو زبان کھولی ــــ"

"آرڈر۔ آرڈر ــــ"

مجسٹریٹ زور سے گرجا۔

"توہین عدالت اور اس کے کاموں میں بےجا مداخلت کے جرم میں عدالت آپ کا مقدمہ علیحدہ چلائے گی۔"

اور یہ نیا حکم سن کر جاگیردار صاحب کا منہ لٹک گیا اور وہ دھب سے کرسی کے کونے پر گر پڑے۔

"آرڈر۔ آرڈر ــــ"

مجسٹریٹ کی آواز دوبارہ گونجی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"عدالت آدھ گھنٹہ کے لئے برخاست کی جاتی ہے۔ مقدمہ کا فیصلہ آدھ گھنٹہ کے بعد سنایا جائے گا۔"

اور پھر آدھ گھنٹہ کے بعد مجسٹریٹ نے فیصلہ سنایا۔

"ملزم برجموہن لال ولد بنواری لال قطعاً بے قصور ہے اور عدالت اسے باعزت طریقہ پر رہا کرنے کا حکم دیتی ہے کہ حکم چند، پرکاش اور اس کے ساتھیوں کو پولیس اپنی کسٹڈی میں رکھے۔ مقتول راجپال کی طرف سے حکومت قاتلوں پر نیا مقدمہ از سر نو شروع کرے گی۔

مجسٹریٹ نے فیصلہ کے بعد کاغذ پر اپنے دستخط ثبت کئے اور ایک نظر حاضرین پر ڈال کر وہ کرسی سے اٹھا اور پچھلے دروازے سے رٹائرنگ روم میں واپس چلا گیا۔

عدالت کے کمرے میں دبا ہوا شور یکبارگی اٹھا۔ اور کان پڑی آواز سنائی دینی مشکل ہو گئی۔ دیہاتیوں کی خوشی کی انتہا نہیں تھی، بنواری کا خوشی کے مارے برا حال تھا۔ برجموہن کے پاس رتنیا اور لیڈی بیرسٹر سلمیٰ کے لئے شکریہ کے الفاظ نہیں تھے۔ بار بار سلمیٰ بیٹی زندہ باد کے نعرے دیہاتی لگا رہے تھے۔ اور پھر یہ شور عدالت کے اس خاص کمرہ سے نکل کر ہر چہار طرف پھیل گیا۔ وہ سڑکوں پر آ گیا۔ لوگ برجموہن کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔

اس رات، رات بھر قصبہ کے کاشتکار نہیں سوئے۔ برجموہن کی باعزت رہائی پر پورا قصبہ مگن اور مسرور تھا، عورتیں ٹولیوں میں بٹ کر رات جگے کر رہی تھیں، پکوان پک رہے تھے، چوپالوں میں ساری رات آلہا گایا گیا اور دور نزدیک کھیتوں میں نوجوان برجموہن کا نام لیکر کبڈیاں کھیلتے رہے۔ جگہ جگہ چرنجیا کا ناچ وہ ناچ جو گاؤں میں چمار ناچتے ہیں ہوا کیا۔ اور مسجدوں، مندروں اور گردواروں میں برجموہن کی رہائی پر پرشاد بٹے اور عبادتیں کی گئیں۔

لیڈی بیرسٹر مس سلمیٰ کی اتنی بڑی مہربانی اور ان کے اتنے بڑے کارنامے کا قصبہ والوں کے دل و دماغ پر بڑا گہرا اثر تھا۔ ان لوگوں نے طے کیا تھا کہ وہ رات کے پچھلے پہر ایک جلوس کی شکل میں شہر جائیں گے۔ اور وہاں پہنچکر وہ مس سلمیٰ کی خدمت میں پانچ ہزار کی ایک تھیلی پیش کریں گے۔ اور اس کے لئے ابراہیم چاچا اور پدری کا کا پیش پیش تھے۔ چندہ جمع کرنے کی مہم ان کے ہاتھ میں تھی۔ اور بغیر کسی کد و کاوش کے صرف ایک گھنٹہ کے اندر پورے قصبہ کے تعاون سے پانچ ہزار روپے یوں چٹکی بجاتے جمع ہو گئے۔

نواری، برجموہن اور سرتیا دھیں شہر میں لیڈی بیرسٹر کے مہمان تھے۔ اور طے یہ تھا کہ وہاں پہونچکر پورا قصبہ برجموہن کو بڑی شان و شوکت کیساتھ قصبہ میں واپس لائیگا

صبح کے نو بجے تھے اور لیڈی بیرسٹر مس سلمیٰ کے بنگلہ کے سامنے تقریباً ہزار بارہ سو کا مجمع ان کے نام کے نعرے لگا رہا تھا۔

"مس سلمیٰ زندہ باد"

"بیرسٹر صاحبہ کی جے"

کے فلک شگاف نعروں سے سول لائنس کا پورا علاقہ گونج رہا تھا اور پولیس مجمع کو کنٹرول کر رہی تھی۔ مس سلمیٰ کے بنگلہ کا پورا احاطہ سادہ لوح اور زندہ دل دیہاتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم میں مس سلمیٰ نے ابراہیم چاچا، بدری کاکا اور چھ کے دوسرے نوجوانوں اور بڑے بوڑھوں کا استقبال کیا۔

اور ابراہیم چاچا نے آگے بڑھ کر مس سلمیٰ کی خدمت میں پانچ ہزار کی تھیلی پیش کی ابراہیم چاچا کہہ رہے تھے۔

"بیٹی ہم غریب کسان تمہارے اتنے بڑے سلوک کا کوئی بدلہ نہیں چکا سکتے ہم غریب ہیں اور نا سمجھ ہیں۔ مگر ہم لوگ اپنے محسنوں کو ضرور پہچانتے ہیں اپنے ہمدردوں اور بھلا چاہنے والوں کو کبھی نہیں بھلاتے۔ تم نے برجموہن کو جاگیردار کے بچھائے ہوئے جال سے چھڑا کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ برجموہن ہم لوگوں کی آنکھوں کا تارا ہے وہ پورے گاؤں کا لاڈلا اور اس کی جان ہے اور ہم بیٹی تمہاری اتنی بڑی خدمت کا معاوضہ تمہیں ہماری حیثیت کے مطابق تو کیا دے سکیں گے صرف یہ پانچ ہزار کی معمولی رقم تم ہماری طرف سے قبول کر کے ہم سب کو دلی شکریہ کا موقع دو"

اور ابراہیم چاچا کی اس مختصر تقریر اور دل میں اتر جانے والے فقروں سے سلمیٰ کا دل بھر آیا اور وہ جذبات میں ڈوب کر بولی۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں چاچا۔ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے اور فرض محنتانہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ وکیل اور بیرسٹر اسی لئے ہوتے ہیں کہ وہ بے قصوروں کو سزاؤں سے

محفوظ رکھیں اور مجرموں کو ان کے کرتوتوں کی سزائیں دلوائیں۔ وکیل اور بیرسٹر جس طرح مجرم کے چہروں سے نقاب اس لئے اٹھاتے ہیں تاکہ قانون کو مجرموں کے پہچاننے میں آسانی ہو اور وہ ان کو سزائیں دے سکے۔"

"مگر پھر بھی —" بدری کاکا بولے "بیٹی یہ ہم سب کا فیصلہ ہے کہ تمہیں یہ حقیر نذرانہ قبول ہی کرنا پڑیگا۔"

"سلمیٰ میری دوست ہے" مسز تپا بولی، "اور میں نے دوستی کے ناطے اس سے یہ کام لیا ہے اور پھر اس کا اور میرا مسئلہ اب ہم ہی لوگوں پر چھوڑ دیجئے۔ برجموہن آپ لوگوں کا ہی نہیں بلکہ ہمارا بھی ہے — وہ میرا بچپن کا ساتھی ہے۔ اور پوری نسائی برادری کا دوست ہے وہ — لہٰذا اس کی خدمت کا یہ معمولی سا حق آپ لوگوں کو ہم سے نہ چھیننا چاہیئے۔"

"نہیں مسز تپا" برجموہن بولا "یہ سب کچھ نہیں — تمہیں اس معاملہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ مس سلمیٰ کی خدمت جو ہم لوگ کرنا چاہ رہے ہیں اس کے آڑے تم نہ آؤ۔"

"مگر ——"

مس سلمیٰ کی بات برجموہن کے تپا بخاری نے کاٹی —

"بیٹی — اسیوکار کر لو یہ حقیر نذرانہ ہم سب کے دل اور بڑھ جائیں گے اس سے"

بخاری نے بڑے درد کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا اور اس پر لاجواب سی ہو کر مس سلمیٰ نے وہ تھیلی لے لی۔ اور پھر وہ تھیلی کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں اچھال کر اپنے بابا جی کی خدمت میں ان کے قدموں پر رکھتے ہوئے بولی۔

"اور اب میری طرف سے میرا یہ حقیر نذرانہ آپ لوگ ٹھکرا نہ سکیں گے اس رقم سے آپ لوگ قصبہ میں ایک فنڈ شروع کیجئے اور اسے دن دونا اور رات چوگنا بڑھاتے رہیئے آپ کا یہ فنڈ غریب اور ضرورت مند کسانوں کی ان کے بُرے وقت میں ان کی بڑی مدد کرے گا۔ اس فنڈ سے آپ لوگ بچوں کے لئے اسکول کھولئے یتیموں اور بیواؤں کیلئے

کوئی چھوٹا موٹا کاروبار چلائیے۔

"سلمیٰ بیٹی زندہ باد۔۔"

اور پھر مس سلمیٰ زندہ باد کے نعروں سے ماحول گونج اٹھا۔ بھولے بھالے دیہاتیوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ ان کی آوازیں جذبات کے باعث بھرا گئیں اور ان کی آنکھوں میں مسرت اور ممنونیت کے ان گنت موتی ایک ساتھ چمک اٹھے۔

سی۔ آئی۔ ڈی پولیس کے متعدد آدمیوں کی نوٹ بکیں ایک ساتھ باہر نکل آئیں اور انہوں نے لیڈی بیرسٹر مس سلمیٰ کا نام کمیونسٹوں کی فہرست میں بڑے خفیہ اور رازدارانہ انداز میں درج کر لیا

جاگیردار لیڈی بیرسٹر مس سلمیٰ کے دفتر میں بیٹھا گڑگڑا رہا تھا۔

"بیٹی! اب تم ہی میرے بیٹے کو اس الزام سے بچا سکتی ہو کہ وہ راجپال کے قتل کی سازش میں شریک تھا۔ میں اپنے بیٹے کی عزت کے لئے اپنی ساری دولت لٹا سکتا ہوں تم اگر چاہو تو مجھ سے میری نصف جاگیر لکھوا لو۔"

اور اس کے جواب میں سلمیٰ بولی۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں چاچا جی" وہ بڑی متانت سے بولی۔

"پرکاش میرے بڑے بھائی ہیں جیسے سر نہال کے بڑے بیٹے میرے، میں پرکاش بھیا کو صاف چھڑا لوں گی، آپ چنتا نہ کیجئے اس کی۔"

"میں تمہارا زندگی بھر احسان مانوں گا سلمیٰ بہن"۔ پرکاش رو سا دیا۔

"میں سچ کہتا ہوں تم سے کہ میں اس سازش میں بالکل شریک نہیں تھا"

"وہ سب مجھے معلوم ہے۔" سلمیٰ نے معنی خیز نظروں سے پرکاش کو دیکھا اور اس نے گھبرا کر اپنی نظریں نیچے جھکا لیں۔

"آپ ایک بات کا خیال رکھئے گا بھیا" ثریا بولی۔

"آپ عدالت کے سامنے وہ کچھ بولئے گا جو سلمیٰ آپ کو سمجھائے اپنی طرف سے کچھ بھی نہ کیجئے گا بالکل.."

"نہیں، سرتیا" پرکاش سہم کر بولا "میں ستے بہن کی ایک ایک بات اپنی گرہ میں باندھ کر رکھوں گا۔"

"آپ نے روپیہ بینک سے کب نکلوایا تھا" سلمیٰ نے پوچھا۔

"میں نے روپیہ بالکل نہیں نکلوایا" پرکاش نے جواب دیا۔

"دیکھئے مجھ سے جھوٹ نہ بولیئے" سلمیٰ مسکرائی "ورنہ سارا معاملہ چوپٹ ہو جائیگا"

اور پرکاش نے گھبرا کر کہا۔

"شاید آٹھ تاریخ کو"

"شاید نہیں یقیناً بات کیجیے"۔

"آٹھ کو نکلوایا تھا"

"چیک کی پشت پر سائن کس کے تھے۔

"میرے"

"اچھا تو اب آپ کام کیجیے چاچا جی" سلمیٰ جاگیردار سے مخاطب تھی "قصبہ جا کر کسی نہ کسی طرح پولیس میں پرکاش بھیا کی طرف سے یہ رپورٹ لکھوایئے کہ آٹھ کی رات کو میرا وہ بٹوہ چوری ہو گیا جس میں آٹھ سو کے نوٹ رکھے ہوئے تھے"

"بہت بہتر"

"مگر سنئے" سلمیٰ بولی، "رپورٹ نو کی تاریخ کو پولیس کے رجسٹر میں درج ہونی چاہیے۔

"میں سمجھ گیا"

"آپ نے حکم چند کو کتنے روپے دیئے تھے؟" اس نے پرکاش سے برجستہ سوال کیا۔

اور اس پر پرکاش بے حد سراسیمہ ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔ سرتیا جلدی سے بولیئے۔

"دیر نہ کیجیے۔ سوچ کر صحیح صحیح بتایئے۔

پرکاش چہرہ شرم ندامت اور خوف سے پیلا پڑ گیا اور وہ کسی سے نظریں چار نہ کرتے ہوئے۔ اپنے ناخن سے
میز کے کونے کو کھرچتے ہوئے بولا۔
"میں نے حکم چند کو سات سو روپے دیئے تھے۔۔"
"ہوں۔۔!" سلمیٰ پرکاش کو بغور دیکھ کر بولی۔
"کتنا خطرناک کھیل کھیل رہے تھے آپ۔"
اور پھر اپنی آنکھوں میں خفیف سی نفرت لیے ہوئے بولی۔۔
"چاچا جی کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ غریب برجموہن نے آپ کا اور پرکاش بھیا کا کیا قصور کیا تھا جو آپ لوگ اسے پھانسی کے تختے پر دھکیل دینا چاہتے تھے۔"
اور جواب میں گھبرا کر جاگیردار نے سلمیٰ کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور سلمیٰ انھیں اٹھاتے ہوئی بولی۔
"ارے! ارے۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ"
"نراز! عاقبت اندیش ہے پرکاش" وہ شرمسار ہو کر بولے۔
"یہ اتنی بڑی بھول کر بیٹھے گا۔ ایشور کو گواہ کر کے میں کہتا ہوں بیٹی کہ ان میں سے کسی بات کا بھی مجھے کوئی علم نہیں تھا۔"
"اچھا اب آپ قصبہ میں جا کر پہلے وہ کام کیجئے جو میں نے ابھی ابھی کہا ہے۔ پھر میں سب سنبھال لوں گی۔"
پرکاش نے نظریں اوپر اٹھائیں اور وہ سلمیٰ کی طرف دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لا کر بولا۔
"بہن! اپنے اس بدبخت بھائی کو بچا لو۔ زندگی بھر احسان نہ بھولوں گا۔"
"آپ دل مضبوط رکھیے۔ اگر عدالت میں سرکاری وکیل کے سامنے آپ بکھر گئے تو

مشکل ہو جائیگی - کم از کم چار پانچ سال کی سزا ہو جائے گی آپ کو - جہاں آپ گھبرائے وہیں کام بگڑا - دیکھئے میں نے کتنی آسانی سے آپ کی ضمانت کرادی تھی - میں سب سنبھال لوں گی"

جاگیردار پولیس سے نپٹنے قصبہ چلا گیا۔ اور سلمیٰ اپنے اور دوسرے مقدمات کی دیکھ بھال کے لیے اپنے آفس چلی گئی - پرکاش اور سرتیا گھر پر رہ گئے۔

پرکاش کا مقدمہ دو تین پیشیوں تک چلتا رہا - اور آخرش لیڈی بیرسٹر کی پر زور بحثوں اور اس کی زندہ ذہانت کی بدولت وہ عدالت کے سامنے بے قصور ثابت ہو گیا، جاگیردار نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا اور سلمیٰ نے عدالت کے روبرو یہ ثابت کر دی کہ حکم چند اور اس کے ساتھی اپنے جرم میں بے قصور پرکاش کو پھنسا کر اپنے ساتھ ہی ساتھ اسے بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں - اس نے ثابت کر دیا کہ پرکاش نے جو روپیہ بینک سے بیٹی جاگیر کے لئے نکلوایا تھا - وہ حکم چند نے چرا لیا تھا اور اسی سلسلہ میں اور بہت سی باتوں کو بھی واضح کر کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی اور پرکاش باعزت طریقہ پر رہا کر دیا گیا۔

البتہ حکم چند کو راجپال کے قتل کے سلسلہ میں قاتل مان لیا گیا اور اسے عدالت سے پھانسی کا حکم سنا دیا گیا اور اس کے دو اور ساتھیوں کو دس دس برس کی قید بامشقت کی

سزا ہو گئی۔ اور ایک آدمی کو حبس دوام کی سزا کا حکم سننا پڑا۔

جاگیردار ستمی کے آگے بچھ بچھ گیا۔ اور پھر قصبہ میں پرکاش کی باعزت رہائی پر جاگیردار نے بڑی دھوم دھام کی، حکام اور سرکاری ملازمین نے خوب خوب دعوتیں اڑائیں انعامات تقسیم ہوئے اور کئی روز تک چراغاں ہوتا رہا۔

البتہ قصبہ کے کسی فرد نے بھی جاگیردار کی اس خوشی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ سریتا شریک نہیں ہوئی اور لیڈی ڈاکٹر مس ستمی نے اپنی مصروفیت کا بہانہ کر کے جاگیردار سے معذرت چاہ لی۔

جاگیردار نے اب اپنا رویہ قدرے بدل دیا تھا اس نے بغیر کہے قصبہ کے سارے کاشتکاروں کا ایک فصل کا آدھا لگان معاف کر دیا۔ وہ کاشتکاروں کے دل میں اپنے لئے جگہ بنانا چاہتا تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ وہ میٹھی چھری بن کر ان کے دلوں میں آہستہ آہستہ گھر کر کے اتر جائے۔ اور پھر ان سے ان کے اس ایکے اور اتحاد کا بدلہ لے۔

اس نے ایک دن ابراہیم چاچا اور بدری کاکا کو نہ صرف یہ کہ کارندے سے بلوا بھیجا بلکہ خود چل کر ان کے گھروں پر باری باری گیا اور ان سے جاگیرداری کے معاملات پر گویا انہیں اپنا سب کچھ سمجھتے ہوئے ان سے رائے لی ان سے صلاح مشورے کئے۔

"کیوں ابراہیم بھیا۔" وہ ابراہیم چاچا سے کہہ رہا تھا۔

"اگر اس سال وہ ادھر والی زمین کے پاس والے سارے کھیتوں میں گنا بو دیا جائے تو کیا رہے گا۔

"اچھی بات ہے"

اور میں سوچتا ہوں کہ گنوں کی فصل دوسروں کے حوالہ کر کے میں قصبہ میں ایک چھوٹی سی شکر مل قائم کر دوں" اس سے بہت فائدہ ہوگا" جاگیردار بولا۔

"قصبہ کے بہت سے لوگ کام پر لگ جائیں گے۔ اور اب گڑ اور شکر کی قصبہ میں افراط ہو جائے گی۔

اچھی بات ہے۔"

تو پھر ایک کام کرنا ہوگا آپ کو میرا

وہ کیا۔"

اس پورے کام کی دیکھ بھال میں آپ کے سپرد کر دوں گا۔"

"میں کہاں غریب آدمی اتنا بوجھ اٹھا سکوں گا سرکار" ابراہیم چاچا بولے۔"

اپنا ہی کام مجھ سے نہیں بنتا، نوکر چاکر تو ہیں نہیں میرے پاس۔"

تمہاری زمین بھی اپنے آدمیوں سے جتوا دیا کروں گا اور بوائی بھی وہی لوگ کریں گے۔ آپ تو بس فیلڈ ہی سنبھال لیں گے۔

اور پھر وہ حقہ کا ایک طویل کش لیکر بولا۔

آپ پر مجھے بھروسہ ہے ابراہیم بھائی۔"

شکریہ سرکار ابراہیم چاچا بولے مگر میں اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے نہیں سکتا۔"

"دھیر دیکھا جائیگا اس وقت،" جاگیردار ابراہیم چاچا کی رکھوالی کی پرواہ کرنے کھڑے ہوتا۔

"دھیرا یہ کام تو آپ کو سنبھالنا ہی پڑے گا۔"

اور پھر وہ بدری کاکا کے چوپال پر پہنچا۔ بیٹھے ہوئے کاشتکار اسے دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔"

ارے بیٹھو بیٹھو بھئی۔ وہ تخت کے ایک کونے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کہاں بے خبر ہوں۔ جو اتنا دب دب رہے ہو تم لوگ۔"

بدری بھیا وہ کہہ رہا تھا تم نے تو آنا ہی چھوڑ دیا۔

کام بہت ہے سرکار بدری کاکا بولے اور پھر سرکار کہاں آپ اور کہاں ہیں

راجہ بھوج اور گنگوا تیلی کا کیا ساتھ

وہ ارے کیسی باتیں کرتے ہو تم بڑے بھیا جاگیردار بدری کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔"

"میں تو ایشور جانتا ہے کہ آج تک تمہیں اپنا بڑا بھائی سمجھتا آیا ہوں۔"

اور پھر وہ کچھ دیر رک کر بولا۔

"میں ادھر والی زمین کے پاس والے سارے کھیتوں میں اس سال گنے کی فصل کرانا چاہتا ہوں۔ خیال ہے کہ اس کا سارا ٹھیکہ تمہیں دے دوں۔ مگر ابراہیم بھائی چاہتے ہیں کہ یہ ٹھیکہ انہیں ملے۔"

بدری کاکا مسکرائے۔

"ہم کیا غیر ہیں سرکار۔ ضرور ابراہیم بھیا کو یہ کام سونپ دیجئے اور میں تو کر بھی نہ سکوں گا۔"

اور پھر اسی قسم کی الٹی سیدھی باتیں وہ بہت دیر تک بیٹھا وہیں کرتا رہا۔ اور پھر جب وہ شام کو اپنی کوٹھی پر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کا اکلوتا بیٹا پرکاش اس کی شکل دیکھتے ہی منہ بنا کر اپنے اوپر والے کمرے میں چلا گیا اور یہ رنگ دیکھ کر وہ پرکاش کے پیچھے اس کے کمرہ میں آیا۔

"کیا بات ہے پرکاش" وہ آتے ہی پرکاش سے بولا۔

"مجھے ان حرامزادے کاشتکاروں سے آپ کا یہ میل جول ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ میں ان باتوں سے انگاروں پر لوٹنے لگتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ گھر چھوڑ کر کہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور چلا جاؤں۔ مگر

"آپ تو پھر سے اب پسند کرنے لگے ہیں ان باتوں کو۔"

پرکاش نے گویا شکایت کی۔

کس قدر سر پر چڑھا رکھا ہے آپ نے ان کاشتکاروں کو وہ جو کل تک ہم سے آنکھ چار کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے اب خود کو ہماری برابری کا سمجھنے لگے ہیں

جاگیردار مسکرایا۔

بڑے نادان ہو تم ابھی پرکاش "

وہ اطمینان سے پرکاش کے پاس ہی مسہری پر بیٹھ گیا۔

یہ تو میری وقتی مصلحت ہے جو میں ایسا کر رہا ہوں۔ بالکل اسی قسم کی پالیسی ہے یہ جیسے کہ غدر کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں اختیار کر رکھی تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ملکہ وکٹوریہ کو ہندوستان میں رحم دل ملکہ کہا جانے لگا۔ اس کے راج کو لوگ رام راج کہنے لگے تھے، حالانکہ وہ وہی کچھ تھی جو اس سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام پیچھے سے اڑا دیا گیا تھا۔"

جاگیردار اپنے بیٹے پرکاش کی پیٹھ ٹھونک کر ہنسا۔

در اصل شراب وہی تھی پرکاش مگر جام ذرا نئے قسم کا تھا اور اب یہی میری پالیسی ہے ذرا کچھ اور وقت جانے دو تم دیکھو گے کہ میں ان قصبہ بھر کے کاشتکاروں سے کس کس طرح سے بدلے لیتا ہوں۔ البتہ فرق یہ ہوگا کہ اب میری پالیسی پہلے سے زیادہ ہوشیار ہوگی۔ اندر سے زہر اور اوپر شکر۔ ہا ہا ہا۔"

اور یہ کہہ کر جاگیردار خوب ہنسا خوب ہنسا بالکل وحشیانہ ہنسی اور پرکاش نے اس کی اس ہنسی کا جواب فخر و غرور کی مسکراہٹوں سے دیا۔ ایسی مسکراہٹیں جس میں زہر گھلا ہوا ہو اور جو اس بات کا اعلان کر رہی ہوں کہ تم دیکھنا کہ وقت آنے پر میں کیا کیا ستم نہیں ڈھاتا۔

• جیسے کہ وہ اپنی ان مسکراہٹوں کے پردے میں مظلوم کاشتکاروں پر ظلم و جبر کی انوکھی انوکھی اور نئی نئی اسکیمیں مرتب کر رہا ہو۔"

رادھے شیام اسی قصبہ کا ایک کسان تھا بہت ہی چڑچڑا اور جل ککڑے قسم کا انسان وہ نہ کسی کو اچھا کھاتے دیکھ سکتا تھا اور نہ کسی کو اچھا پہنتے ہمیشہ اس کی یہی کوشش ہوتی کہ کوئی اس کے آگے نہ بڑھنے پائے اس کی بات سب سے اونچی رہے وہ قصبہ کے ہر آدمی میں عیب نکالتا کبھی کسی اچھی بات کو اس نے آج تک اچھی اس لیے نہ کہا کہ وہ دوسروں کی بات تھی۔ اپنی چیزوں سے ہمیشہ خوبیاں نظر آتیں اور دوسروں کی چیزیں اسے سدا کیڑے ہی نکلتے دکھائی دیتے۔ وہ بیحد ہٹ تھا اکل کھرا تھا اور قصبہ بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جس سے اس کی پٹتی ہو۔

شام کا جھٹ پٹا ہو چکا تھا اور رادھے شیام بیلوں کو چارا پانی دے رہا تھا کہ جاگیردار کا گوڑیت آیا۔

"جے رام جی کی رادھے شیام بھیا۔"

"جے رام جی کی" وہ بیل کے منہ پر ایک زور کا گھونسہ مار کر بولا جو سانی میں جلد کر اور آٹا ملانے سے پہلے ہی بڑی بیتابی کے ساتھ ناند میں منہ ڈالے دے رہا تھا۔

"سسسر ابا ہے ——" اس نے بیل کو ایک لتاڑ دار گالی دی

گوڑیت اپنی لاٹھی ٹکا کر اس کے سہارے کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں جمعدار زمیندار جی نے بلایا ہے۔ رادھے شیام بھائی۔"

اور وہ بھوسے میں کھلی کا گھڑا الٹتے ہوئے بڑبڑایا

"سسرے دم تو لینے دے۔ رسالے" اس نے بیل کے منہ پر ایک اور گھونسہ جمایا اور بیل

اپنی دونوں آنکھیں پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ ناند سے ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

" بھیا جرا جلدی کا کام ہے۔

گونڑ بیٹ نے رادھے شیام کو پھر مخاطب کرنا چاہا جو مسلسل اس کی باتوں کو سن کئے جا رہا تھا۔،

کام کر رہا ہوں نہ۔" رادھے شیام بیزاری سے بولا۔

تو تو بس ہتھیلی پہ سرسوں جمائے دیتے ہے میرے یار ذرا بس کر چلتا ہوں تیرے ساتھ گونڑ بیٹ اسی جگہ زمین پہ اکڑوں بیٹھ گیا اور کان سے آدھی جلی بیڑی نکال اسے ہونٹوں میں دبائے ہوئے بولا۔

آگی ہے بھیا۔؟

ابے تو تو بڑا لاٹ صاحب لے" رادھے شیام نے اسے کھا جانیوالی نظروں سے گھورا،" آنکھیں پھوٹ گئی ہیں کیا تیری ، دیکھتا نہیں ہے کہ میں چارہ پانی کر رہا ہوں"

اس نے گائے کے بچھڑے کو گائے کے تھن سے کھینچتے ہوئے کہا۔

" مادر۔ سالا سارا دودھ پی گیا"

اس نے بچھڑے کو لیجا کر دور باندھ دیا۔ اور پھر وہ گونڑ بیٹ کی طرف متوجہ ہوا ہوں تو جا گیردار جی نے کیوں بلایا ہے مجھے"

" ایشور جانے۔ گونڑ بیٹ زمین پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

مگر بلایا جلدی ہے۔

اچھا تو چل میں گائے دودھ کر آتا ہوں۔"

باپ رہے باپ" گونڑ بیٹ بولا۔

اب تم دودھ دوہو گے اور میں سرکار کی جلیہ ٹایٹ کر دیں گے ،

اچھا چل۔"

رادھے شیام اندر جاتے ہوئے بولا۔

ذرا انگوچھا اور لاٹھی لے لوں۔"

"رادھے شیام!"

"جی سرکار"

ہم اگر تجھے راجہ بنا دیں تو"

رادھے شیام یکبارگی چہکا۔

"سارے گاؤں کو ناک چنے چبوا دوں مالک ایک ایک کی کھبر لے ڈالوں۔"

بہت خفا ہو تم گاؤں والوں سے"

کرتوت ہی ایسے ہیں سسروں کے پرجا ہو کر ججوا سے ٹکر لیتے ہیں۔"

"دیکھو! جاگیردار بولا۔ آج سے تم ہمارے خاص آدمی ہو سمجھے! بدھرے قصبہ میں ایسی آگ لگا دو کہ انکا سارا ایکا چٹک ہو جائے"

یہ کون سا مشکل کام ہے سرکار" رادھے شیام کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں
اگر دم بھر میں سر پھوڑوں نہ کرادوں تو رادھے شیام نہیں چمار کہئے کا ججور"

"مگر یہ کسی کو نہ معلوم ہو کہ تم ہمارے آدمی ہو۔"

نہیں سرکار! اگر یہی بات معلوم ہو گئی تو مجا کیا آئیگا کھاک۔

ڈیوڑھی سے ہر مہینہ تمہیں پندرہ روپیہ ملا کریں گے"

کرم ہے ججور کا۔ مگر سرکار رادھے شیام کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کہو کہو کیا بات ہے"

ججور اگر ادھر کے پاس والا کھیت مجھے جوتنے کو دیدیں تو۔"

"ملجائیگا مکھیتس ۔ ایک دو فصل تک اور ٹھہر جاؤ ۔ میں کبھی نہ کسی بہانے سے بنواری کو بے دخل کرنے ہی والا ہوں ۔

"یہ تو چھیڑ چھاڑ کر دینے والی بات ہوئی حجور ۔"

رادھے شیام مارے خوشی کے دیوانہ ہو گیا ۔

"جانے آج صبح صبح کس بھاگوان کا منہ دیکھکر اٹھا تھا ۔"

تم اگر ہمارے بنائے ہوئے راستے پر چلوگے تو روز نہ جانے کیا کیا ملجائے گا مکھیتس پرکاش باہر سے آتے ہوئے بولا ۔"

پرکاش کو آتا ہوا دیکھکر رادھے شیام جو کہ فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا یکدم سے کھڑا ہو گیا ۔"

نمسکار مالک ۔" وہ بولا ۔"

آپ چنتا نہ کریں مالک آپ کو میرے جیسا بھروسے والا آدمی پورے قصبہ میں نہ ملیگا سرکار ۔"

ایسی ترکیب نکالو کہ ابراہیم اور سیدی دونوں کی چودھراہٹ دھری کی دھری رہ جائے ۔" پرکاش نے خواہش ظاہر کی ۔

اگر قصبہ بھر میں ہندو مسلم فساد کرادو تو کیا ہی کہنے ۔"

آپ دیکھتے جایئے مالک ۔ میرا نام رادھے شیام ہے رادھے شیام میرا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا ۔

سالا کیسا آدمی ہے " جاگیر دار نے رادھے شیام سے پوچھا ۔

"ایک حرامی ہے ۔ وہ مالک بڑا لبری ۔"

اپنے کام کا آدمی ہے نہ ۔"

پورے سولہ آنہ مالک ۔"

"تمہارے ساتھ ملکر کام کر سکے گا۔"

"کیوں نہیں سرکار... رادھے شیام جیکا سونے پر سہاگا سمجھیے اسے"

"پھر۔"

لگے ہاتھوں اسے بھی طے کر لیجیے۔ ابھی بلا کر بھیج دیجئے اس کو بھی رادھے شیام مسکرایا۔

"ہم دونوں ملکر قصبہ بھر میں آگ لگا دیں گے"

ٹھیک تو ہے پرکاش مسکرایا۔

"وہ مسلمانوں کے دلوں میں آگ سلگائے گا اور۔"

اور مجبوریں ہندوؤں کے دلوں میں آگ لگا دوں گا"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ شاباش پرکاش کی باچھیں کھل گئیں۔

جاؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔" جاگیر دار نے صوفہ پر سے اٹھتے ہوئے کہا

اور ہاں روز کی رپورٹ مجھے رات میں ملنی چاہیے۔

ضرور مالک

بڑے ادب سے جھک کر رادھے شیام نے دونوں کو باری باری سلام کہا اور پھر وہ رخصت ہو گیا وہاں سے۔

"کہو بھئی صابر کیسے ہو۔"

جاگیر دار نے بیٹھک کے دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

اچھا ہوں مالک۔ دعا ہے آپ کی سرکار۔ صابر بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔"

"کیسے بلا بھیجا سرکار۔"

"سوچا کہ تمہیں اپنے یہاں کی کارندگی سونپ دیں۔" پرکاش بولا۔

"کیا خیال ہے۔"

کرم ہے سرکار کا۔" سائیں کی باچھیں کھل گئیں۔

آپ ہی کا کھا کر تو جی رہا ہوں سرکار۔

شبراتی سے کیسے نبٹتی ہے تمہاری۔"

"کیا بتاؤں حضور اگر آپ کا ڈر نہ ہوتا تو سمجھ لینا اس سے اچھی طرح بڑا عاجز کر رکھا ہے اس بدذات نے۔"

تم ہماری طرف سے سارے قصبے سے سمجھ سکتے ہو۔"

جی"

"آج کے دن سے تم قصبہ کے ہر آدمی سے الجھ پڑو۔ تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

دیکھو سائیں۔ جاگیردار نے رازدارانہ طور پر اس سے کہا۔

"ابراہیم اور سیدی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔"

بڑے کمینے ہیں حضور یہ لوگ" سائیں دانت پیسنے لگا۔

"یہ سوں ہی کی بات ہے سرکار میرے کھیت میں غفورے کی بکری گھس گئی اور جب میں نے اس کی ٹانگ توڑ دی تو ابراہیم چاچا مجھ پر چڑھ دوڑے۔ وہ تو میں پورا کا بکری ہضم کر جاتا مالک مگر ان دونوں نے ملکر میرا حقہ پانی بند کر دینے کی دھمکی دی اور مجبور ہو کر مجھے قبول کرنا پڑا کہ غفورے کی بکری میرے گھر میں بند ہے اور سرکار زبردستی وہ بکری مجھے غفورے کے حوالے کرنی پڑی۔"

"آج سے تم سارے قصبے کی بکریوں کو ہضم کر سکتے ہو" پرکاش نے شہ دی۔"

مگر ایک شرط پر۔" جاگیردار نے لقمہ دیا۔

"وہ کیا سرکار ۔"

"یہ ہندو مسلمان بڑے گھل مل گئے ہیں آپس میں تم کسی نہ کسی طرح سے ان کا یہ اتحاد توڑ ڈالو ۔"

"مگر ۔ ۔"

"بس تمہیں اس کام کے بتیس روپیہ مہینہ مستقلاً دوں گا جاگیردار نے سائیں کی گود کے آگے رشوت ڈال دی ۔"

"بولو منظور ہے ۔"

"حکم دیجئے حضور" سائیں پر بیس روپیہ مہینہ کا جادو چل گیا ۔

"میں اگر سر پھٹول نہ کرادوں تو جو چور کی سزا وہ میری مالک"

جاگیردار مسکرایا ۔

"وہ اوسر والا کھیت بنواری کو بے دخل کر کے میں تمہیں دے دوں گا ۔"

سائیں کی باچھیں کھل گئیں ۔

"ایک مدت سے اس کھیت پر میری رال ٹپک رہی ہے مالک، کیا گنا پیدا ہوتا ہے اس میں مانو راب کا دریا بہ رہا ہو ۔"

"تو پھر"

"جو حکم مالک ۔ سائیں یکبارگی کھڑا ہو گیا ۔"

"کہئے تو آج ہی سے بسم اللہ شروع کر دوں ۔"

"نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہیے ۔" پرکاش نے حاشیہ لگایا ۔

"آج سے تم ہمارے آدمی ہو ۔" جاگیردار بولا ۔

"مگر یہ بات کسی اور کو معلوم نہ ہو ۔"

"کیا مجال ہے سرکار جو بھنک بھی پا جائے کوئی ۔"

شاباش --!

جاگیردار نے خوش ہو کر سائیں کے ہاتھ پہ دس کا ایک نوٹ رکھ دیا۔

"آپ بڑے ان داتا ہیں حضور --!"

سائیں نے دس کے نوٹ کو اپنی مٹھیوں میں بھینچ لیا۔

جاؤ خدا حافظ -- "جاگیردار نے سائیں کی پیٹھ تھپکی۔

تمہارے کاموں میں رادھے شیام تمہاری مدد کرے گا۔"

اللہ مالک ہے سرکار۔"

سائیں نے بڑی عقیدت مندی سے اللہ کے بڑے ہونے کا اعتراف کیا اور پھر وہ جاتے جاتے بولا۔"

"کلام مجید میں لکھا ہے سرکار کہ تم اپنے حاکم وقت کی فرمانبرداری کرو۔"

وہ جاگیردار کے آگے جھکا

اور آپ ہمارے حاکم ہیں سرکار۔"

"ویری گڈ سائیں -- "پرکاش مسکرایا تم سچے مسلمان ہو اور صحیح معنوں میں کلام مجید کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو وہ تم ہو۔"

ذرہ نوازی ہے آپ کی حضور"

سائیں پرکاش کے ان جملوں گہرائیوں کو نہ سمجھتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں اکڑ کر بولا۔"

میں قرآن شریف کا ایک ایک لفظ سمجھتا ہوں سرکار۔

ہمیں تم ہی جیسے سمجھدار آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

جاگیردار مسکرایا۔

تم سمجھدار ہو -- اور مجھے تمہاری سمجھ پہ بھروسہ ہے"

شکریہ حضور۔"

سایس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ اور جاگیردار صوفہ پر سے اٹھتے ہوئے بولا

اب تم جا سکتے ہو سایس۔ جاؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔

منگورے کی جوان بیٹی شبراتن کنوئیں پر پانی بھرنے آئی تو ایک ہندو لڑکی چمپا نے بڑے تیکھے انداز میں اس سے کہا ۔"

اری او دری چھوکری تو یہاں کیسے آٹپکی ۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہندوؤں کا کنواں ہے

تو کیا ہوا " شبراتن نے گردن مٹکا کر جواب دیا ۔

" کیا مسلمان آدمی نہیں ہوتے "

آدمی تو ہوتے ہونگے " چمپا نے چوٹ کی ۔ مگر کچھ کبھی ہوتے ہیں سانڈ سا کھڑا "

" بڑی آئی لچھ کہنے والی شبراتن نے ناک پر انگلی رکھ کر جواب دیا ۔

پہلے اپنی خبر تو لو ۔ اگھوری کہیں کے گائے کا پیشاب پینے والے "

کیا کہا ۔ " چمپا شبراتن پر جھپٹی ۔

اور کئی اور لڑکیوں نے بیچ بچاؤ کر دیا ۔

کیا فائدہ جھگڑا کرنے سے ایک دوسری ہندو لڑکی نے شبراتن کو سمجھایا

تم اپنے کنوئے پر کیوں نہیں گئیں ۔ وہاں جاکر پانی بھر لو نہ "

وہاں بھیڑ بہت ہے ۔ شبراتن بولی اور پھر یہ آج کوئی نئی بات تو ہے نہیں بہن کیا اس سے پہلے مل جل کر ہم ایک ہی جگہ پانی نہیں بھرتے تھے ۔"

سچ تو ہے " ایک اور لڑکی نے کہا ۔

" جانے ہم لوگوں کو آج کل کیا ہو گیا ہے ۔ بات بات میں ہندو مسلمان بڑی خراب بات ہے یہ ۔"

"ہے تو ہوا کرے" چمپا گرجی۔

"پر میں تو اس مسلم مٹی کو اس کنوے سے پانی نہ بھرنے دونگی۔"

"نہ کیسے بھرنے دے گی۔ شبراتن اکڑ گئی

"یہ کنواں کیا تیرے باپ کا ہے۔"

"تو تیرے پرکھوں کا بھی نہیں ہے" چمپا نے لپک کر شبراتن کا گریبان پکڑ لیا۔

کنواں جاگیردار کا ہے اور جاگیر دار صاحب ہندو ہیں"

تو کیا ہوا۔ شبراتن گلو خلاصی کی کوشش کے درمیان بولی

جاگیر دار کی رعایا تم بھی ہو اور میں بھی ہوں۔

اور ابھی یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا کہ اتفاقاً ادھر سے رادھے شیام بھی اپنا ڈول لیکر پانی بھرنے آگیا۔

کیا بات ہے۔ کیا بات ہے۔

وہ لڑکیوں کے درمیان بیچ بچاؤ کرتے ہوئے بولا۔"

کیوں لڑ رہی ہو تم لوگ"

دیکھو چاچا ۔۔" شبراتن نے شکایت کی

دیہ لڑکی چمپا مجھے پانی نہیں بھرنے دیتی کہتی ہے کہ تم مسلمان ہو اور مسلمان ملیچھ ہوتے ہیں۔

ٹھیک تو کہتی ہے" رادھے شیام نے شبراتن پر آنکھیں نکالیں۔

یہ کنواں ہندوؤں کا ہے دور ہو جا یہاں سے ملیچھ کہیں کی گئو کا ماس کھا کر چلی ہے وہاں سے پانی بھرنے ہمارے کنویں سے۔

"پر چاچا ۔۔"

چپ! رادھے شیام زور سے چیخا۔

در جاتی ہے یا نہیں ۔

اور غریب لڑکی آنکھوں میں بے اختیار آنسو جھپک آئے وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئی ۔ آج اس سلسلہ میں یہ پہلا واقعہ ایسا ہوا تھا کہ ہندو مسلمان کی تفریق پیدا کر کے ایک ہندو چاچا نے اپنی مسلمان بھتیجی کی اس طرح توہین کی ہو

شبراتا نے چپ رہ کر اپنی گردن نیچے جھکا لی اور پھر وہ مری ہوئی چال کے ساتھ بغیر پانی کا ایک بوند لئے ہوئے اپنے گھر کو واپس آگئی ۔

ابے او ۔ بسائیں تم ایک ہندو لڑکے کو للکارا

یہ کھیت کیا تیرے باپ کا ہے جو ساگ توڑنے چلا آیا یہاں ۔"

سائیں چاچا ۔ لڑکے نے لجاجت سے کہا ۔

بتھوے کا ساگ تو ہے کوئی ۔

زبان لڑاتا ہے سالے کافر کی اولاد ۔ بسائیں نے لڑکے کے ایک طمانچہ لگایا ۔ جانتا نہیں ہے سالے اگر زیادہ تین پانچ کی تو تیری چوٹی پکڑ کر اکھاڑ لوں گا چلا ہے وہاں سے ساگ اکھاڑنے ۔

دیکھو چاچا گالی مت دو ہاں "!

تو کیا کرے گا تو ۔" بسائیں نے لڑکے کو اٹھا کر دے مارا

اور جب وہ روتا ہوا اپنے گھر گیا تو بڑا ہنگامہ ہوا اس بات پر کہ سائیں نے لڑکے کو مارا تو گالی کیوں دی اور پھر اور تو اس کافر کہا ہے ۔ لڑکے کا باپ رام دین گرجا ۔

اس سالے مسلٹے کی اتنی ہمت کہ ہمیں کافر کہے "

وہ لاٹھی لیکر دوڑا

ابھی جا کر سالے کا بھیجا باہر کیئے دیتا ہوں “

اور بڑی مشکل سے اس کی بیوی نے اسے روکا۔

الاؤ کے گرد بہت سے آدمی بیٹھے تھے کہ ان میں سے ایک بولا۔

آج کل اس قصبہ کی فضا بڑی خراب ہوتی جا رہی ہے “۔

کیا ہوا فضل دین بھائی۔ رزاق نے سوال کیا

یہ ہندو مسلمان کا سوال بڑے زوروں سے چل رہا ہے آج کل۔

”کیا بات ہوئی“ شکور نے پوچھا۔

کئی دن ہوئے شکورے کی بیٹی شبراتن چوک والے کنوئیں پر پانی بھرنے گئی تھی تو وہاں کی ہندو لڑکیوں نے اسے پانی بھرنے سے منع کر دیا۔

کیا کہا ان لڑکیوں نے “

”اس نے کہا کہ وہ مسلمنی ہے ملیچھ ہے اور وہ اسے اس کنوئیں سے پانی بھرنے نہ دیں گی “

فضل دین بڑے دکھ کے ساتھ بولا۔

خیر وہ تو بچیاں تھیں۔ مگر حد یہ کی بات تو یہ ہے کہ رادھے شیام نے بھی شبراتن کو ڈانٹا گالیاں دیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو بھی صلواتیں سنائیں۔“

بڑے چھبنے کی بات ہے یہ تو

کئی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیں

اس قصبہ میں اب تو کبھی نہیں ہوا تھا۔“

عزیز۔ "اس میں کوئی گہری چال ہے"

بوڑھا۔ کھانستے ہوئے بولا۔

"قصبہ کی فضا خراب کر کے کوئی ضرور اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔"

"خدا اپنا رحم کرے" فقیر بولا۔

"مگر یہ رام تیرتھ شیام ہے بڑا کمینہ" ایک آواز آئی۔

"ہندوؤں کے تیور آج کل کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں" رحیا نے بات نکالی

"تو ہم کونسا پتلا موتتے ہیں" شریف دکار۔

"مار مار کر دنبہ بنا دیں گے سالوں کا"

"یہی تو بیوقوفی ہے تم لوگوں کی" سعید نے جلتی ہوئی اس لکڑی پر راکھ ڈالی جو الاؤ سے باہر نکل آئی تھی۔

"جذبات سے نہیں عقل سے کام لینا چاہیئے"

"جبھی تو ہمارے دشمنوں کو موقع ملتا ہے" فقیر نے تائید کی۔

"یہ دیکھنا ہوگا کہ آخر یہ چال چل کون رہا ہے"

"کہیں جاگیردار صاحب نے تو پینترا نہیں بدلا"

"شاید" فقیرے نے کہا۔

"مگر ثریا بیٹیا تو ولایت ہی چلی گئی ہیں" سعید نے خیال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جاگیردار صاحب کوئی نئی چال چل رہے ہیں"۔

"مگر اب تو وہ پہلے سے بہت بدل گئے ہیں" رازق بولا۔

"ارے ان سرمایہ داروں کا کیا بھروسہ" شریف بولا۔

"ایک کینچلی اتار کر دوسری پہن رہے ہوں گے"۔

"اتنا بڑا دھچکہ کھا کر بھی آنکھ نہیں کھلی ہے"

"وہ آنکھ ہو جب نہ آنکھوں پر تو دولت کی چربی چڑھ گئی ہے۔ اور غرور نے پاگل کر دیا ہے"

"مگر ایک بات کا دھیان رکھنا تم لوگ" بوڑھا سید الاؤ کی آگ کو کم کرتے ہوئے بولا۔

"جلد بازی سے کبھی کام نہ لینا۔ اگر جذبات سے بے قابو ہوئے۔ تو سمجھو، کہ کام بگڑا"۔ "ٹھیک بات ہے"۔ فقیر اٹھتے ہوئے بولا۔

اور پھر ایک ایک کرکے بھی لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ الاؤ کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

"میں کہتا ہوں۔ کہ ان مسلمانوں نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ اپنے آپ کو"

رادھے شیام نے بل کھا کر چلم کو خوب زور سے کھینچا۔ اور آگ کا ایک شعلہ چلم سے باہر آ گیا۔ "بہت سر پر چڑھ گئے ہیں یہ لوگ"

اس نے دھکتی ہوئی چلم ماتا دین کی طرف بڑھا دی

کل ہی کی تو بات ہے۔ اس دمڑیا قصائی نے بغیر کچھ خیال کئے ہوئے پاس والے آموں کے باغ میں گائے دھکیل دی۔

"سچ سچ ان لوگوں کو کچھ تو خیال چاہیئے۔ ہمارا" رام دلیو تا بولا۔

"مانا، کہ اس کی بیٹی کا بیاہ تھا۔ پھر بھی ہمارے سر پر گؤ متیا کی کیا ضرورت تھی سالے کہیں دور جا کر بھی وہ گائے گرا سکتا تھا۔

"ارے بھیا!" رادھے شیام بولا۔ "ان لوگوں کو ہمارا خیال ہو نہ"

"یہ تو چھاتی پر سوار ہو کر داڑھی نوچنے والی بات ہوئی"۔ ایک اور بولا۔

HOW DID YOU LIKE THE PICTURE ''تصویر کیسی رہی''
انیتا نے سنیما ہاؤس سے باہر نکلتے ہوئے برجموہن سے پوچھا
IT IS A GOOD ONE ''یہ اچھی تصاویر میں سے ایک ہے'' برجموہن
نے جواب دیا۔'' انیتا نے دوبارہ سرسوتی سے یہی سوال کیا
''اور تمہیں کیسی لگی؟'' انیتا نے دوبارہ سرسوتی سے یہی سوال کیا۔
OH DARLING IT IS LOVELY سرسوتی نے جھوم کر پکچر کی تعریف
کی۔ اور پھر وہ تینوں پارکنگ تک آئے۔ سرسوتی اپنی پیکارڈ پہ بیٹھ گئی۔ اور
اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔
BY BY اور اس کی گاڑی تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

انیتا کی گاڑی اڑی چلی جارہی تھی۔ کہ یکبارگی اس نے کار کی رفتار دھیمی کر کے
برجموہن کی طرف دیکھا۔
''ارے، آپ تو میرے ساتھ ہی ہیں''۔
وہ برجموہن سے پوچھ رہی تھی۔
''کہاں رہتے ہیں آپ؟ کس جگہ ڈراپ کروں آپ کو ــــ؟''
اور اس بار برجموہن نے انیتا کو بغور دیکھا۔
''آپ مجھے یہیں ڈراپ کر دیجئے''
''یہ کیوں؟''
''اس لئے۔ کہ چوہے کے بل میں اونٹ کی سمائی ناممکن ہے''
''کیا مطلب ــــ؟'' انیتا نے برجموہن کو بغور دیکھا۔

"ہمارے ایکے سے جاگیردار کی نانی مر گئی ہے"۔

"اور کبھی تو وہ ہمارے اس ایکے کو بھنگ کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسر نے تائید کی

وہ گا ہے کا ایکا" رادھے شیام نے بات نکالی

"یہ مسلمان ہمارے ہی ہاتھوں سے ہمارا گلا کٹوانا چاہتے ہیں۔ جاگیردار بھی تو

آخر ہندو ہے نہ"

"کیا فضول کی بکواس ہے یہ"۔

بنواری نے بڑی شدید نفرت سے منہ بنایا۔

"یہ بھی کوئی بات ہوئی"

"پھر کیا ہے"۔۔۔ رادھے شیام جیسے بُرا مان کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"جب مسلمان تمہارے سر پر چڑھ کر موتیں گے۔ تو پتہ لگے گا تمہیں۔ اگر وہ تمہاری

ماں بہن ایک نہ کر دیں۔ تو میرے منہ پر تھوک دینا"۔

وہ جاتے جاتے یہ فقرے لوگوں کے کانوں میں انڈیل گیا۔ اور وہ لوگ دل

ہی دل میں۔ جیسے کہ کچھ سوچنے لگے ہوں۔۔۔۔

"ایشور ہی رکشا کرے۔ اب اس قصبہ کی"۔

گردھاری نے یہ جملہ کہا۔ اور وہ کھانستا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

ایک شریر لڑکے نے الاؤ پر بہت سا پھوس رکھ دیا۔ اور الاؤ بڑی شدت کے ساتھ

بھڑک اٹھا۔ لپٹیں اتنی اونچی اٹھنے لگیں۔ کہ لوگوں کے چہرے بھیانک معلوم ہونے لگے

اور شعلوں کی تپش سے جسم جل اٹھے۔

آگ کی روشنی میں لمبے لمبے سائے دیواروں پر پڑنے لگے۔ اور لپٹوں کی

تھرتھراہٹ سے ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے کہ لمبے سائے بھوت بن کر دیواروں پر

رقص کرنے لگے ہوں۔ رقص، وحشیانہ رقص۔ ایسا رقص جو موت کا رقص ہو۔

قصبہ کی فضا بہت خراب ہو گئی تھی۔ رادھے شیام اور سائیں کی گمبھیری اپنا اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی۔ ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے ایک ایسی کدورت کی تہہ جم گئی ہے۔ جو حد درجہ خطرناک تھی۔ اور جس کے نتیجے کے طور پر آپس میں مارپیٹ بھی شروع ہو گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات میں وہ الجھ پڑتے۔

فلاں کی بکری فلاں کے کھیت میں کیوں گھس گئی۔ اور فقیرے کے بیل نے سرجو کے بیل کی ناند میں منہ کیوں ڈال دیا۔ رزاق کی مرغیوں نے شمبھو کے کھلیان میں گندگی کیوں پھیلا دی۔ اور لشیشر کا لونڈا جگوا کیا سمجھنے لگا ہے۔ اپنے آپ کو وہ کل شام کو گلیارے میں کھڑا ہوا رجا کی جوان چھوکری کو گھور کیوں رہا تھا جب کہ وہ اپنے کھیت میں جھکی ہوئی بتھوے کا ساگ توڑ رہی تھی۔

اور یہ مسلم منٹے سمجھنے کیا لگے ہیں۔ اپنے آپ کو۔ وہ دیکھو۔ کیا نام ہے اس کا شہاب الدین سُسرا۔ وہ کل کرشن گوپال کی نئی نویلی بیاہتا کو آنکھ مار رہا تھا۔ حالانکہ وہ اس کمینے کی بیٹی کے برابر ہے۔ مگر سٹھیا گیا ہے بڈھا۔ یا شاید وہ ہم ہندوؤں کی عزت کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھ بیٹھا ہے۔ مارے لاٹھیوں کے بھُرکس نکال دو سالوں کا۔

غرضکہ اس قسم کی بے تکی باتیں تھیں۔ جو جھوٹ سچ قصبہ بھر میں پھیلائی جاتیں اور جنہیں سن کر سنجیدہ سے سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والوں کا خون بھی کھول جاتا۔ اور وہ نتھنے پھلا کر آستینیں چڑھانے پر آمادہ ہو جاتے۔

ابراہیم چاچا اور بدری کاکا ان بدلتے ہوئے حالات سے بیحد پریشان تھے۔ وہ ہر امکانی کوشش کرتے۔ کہ اس قسم کی باتیں قصبہ میں نہ پھیلنے پائیں۔ اور لوگوں کے دماغوں میں زہر نہ بھرے۔ مگر ان کی اس قسم کی ساری کوشش مسلسل اکارت جا رہی تھی ان کی باتوں پر کوئی کان نہ دھرتا۔ کوئی نہ سنتا ان کی اور اب تو الٹا وہی مورد الزام ٹھہرائے جا رہے تھے۔ قصبہ بھر کا خیال تھا۔ کہ یہ ابراہیم چاچا۔ اور بدری کاکا بڑے بدمعاش ہیں اور زمانہ ساز ہیں۔ نیز یہ کہ انہیں کی وجہ سے قصبہ بھر میں یہ گڑبڑ پھیل رہی ہے۔ ہندو بدری کاکا کو کوستے۔ کہ انہیں کے لکو پتو کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج مسلمان شیر ہو کر ہندوؤں کو اپنا زر خرید غلام سمجھنے لگے ہیں۔ اور مسلمانوں کا خیال تھا۔ کہ یہ ابراہیم چاچا ہی ہیں۔ جن کی جی حضوری کی وجہ سے ہندوؤں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور وہ قصبہ بھر کے مسلمانوں کے منہ پر تھوکنا چاہتے ہیں۔

اور یہی وجہ تھی۔ کہ ان دونوں جہاندیدہ بوڑھوں کی مٹی اپنے ہی قصبہ میں اپنے ہی آدمیوں کے سامنے پلید ہو رہی تھی۔ ہندو مسلمان دونوں ہی ایک دوسرے سے خار کھانے لگے تھے۔ وہ اپنا سب سے بڑا دشمن انہیں دونوں کو سمجھتے۔

اور قصبہ کی اس حالت پر جاگیردار بے حد خوش تھا۔ پرکاش کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور وہ اپنی اس سیاست پر بیحد خوش اور نازاں تھے۔ اور سمجھ رہے تھے۔ کہ اب انہیں اپنی من مانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ آپس کی پھوٹ سے وہ جب چاہیں گے۔ اور جسے چاہیں گے۔ لوٹ سکیں گے۔ اور جسے چاہیں گے خوب جی بھر کے ذلیل کر سکیں گے۔ اور ستا سکیں گے۔ اور وہ فضا کے اور زیادہ بگڑنے کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے

سائیں اور راد ھے شیام روزانہ رات کے پردہ میں چھپکر ان کی کوٹھی پر جاتے دن بھر کی رپورٹیں پیش کرتے ہدایتیں لیتے۔ ہنستے بولتے۔ اور قہقہے لگاتے ہوئے

واپس آ جاتے۔

جاگیرداروں کے انعام و اکرام اور وعدے وعید کے بھروسے پہ وہ جامے میں وہ مارے خوشی کے نہیں سماتے تھے۔ وہ سمنبھلنے لگے تھے۔ کہ اب وہی وہ ہیں۔ جو چاہیں گے۔ کریں گے۔ جیسا وہ چاہیں گے۔ ہوگا۔

وہ ایک ایک سے اپنا پچھلا بدلہ چکوا رہے تھے۔ اور ایک ایک سے اپنی پرانی عداوت اور کدورت کا بدلہ نکال رہے تھے۔ اور اس میں ہندو یا مسلمان کسی کی بھی تخصیص نہ تھی۔ رادھے شیام اپنے دشمنوں سے بدلے نکالتا۔ ان سے بھی جو مسلمان تھے۔ اور ان سے بھی جو ہندو تھے۔ اور بالکل یہی کیفیت سائیں کی تھی۔ اس کا شکار اپنے بھی تھے اور پرائے بھی۔ مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی

اور یہ چکر اسی طرح چلتا رہا۔ بڑی تندہی اور روانی کے ساتھ۔ روز بروز، ہندوؤں کے دل مسلمانوں کی طرف سے اور مسلمانوں کے دل ہندوؤں کی طرف سے بھرتے جا رہے تھے۔

اور اب تو حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ کہ ناتجربہ کار اور الہڑ نوجوانوں سے گذر کر یہ زہر تجربہ کار۔ جہاں دیدہ اور سوچ سمجھ رکھنے والے بوڑھوں میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتا جا رہا تھا۔

سبھی دیکھے ان دیکھے تیر کا نشانہ بنتے جا رہے تھے۔ وہ بھی جن کا خون گرم تھا اور وہ بھی جن کے خون میں ٹھہراؤ آچلا تھا۔ اور وہ بھی جن کے خون میں گرمی کی جگہ سردی نے اپنا ڈیرہ جما لیا تھا۔

عورتیں بھی ہاتھوں پہ انگلیاں رکھ رکھ کر دوسروں پہ نکتہ چینی کرنا سیکھ گئی تھیں۔ اور بچے بھی سیکھ گئے تھے۔ کہ وہ مسلم مُلّا ہے۔ اور وہ کافر ہے۔

اور یہ آگ اب جنگل کی آگ کی طرح اتنی تیز پھیل چکی تھی۔ کہ جس کا مداوا بڑا مشکل ہوگیا

تھا۔ اب یہ بات اتنی آسان نہ تھی۔ کہ اسے صرف ایک یا دو چھینٹوں سے آسانی کے ساتھ بجھا دیا جائے۔

وہ جو کل تک شیر و شکر کی طرح ایک تھے۔ آج پانی اور تیل کی طرح ایک دوسرے سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ جو پالوں پر پریم کی بنسریوں کی جگہ اب گالیاں سنائی دیتی تھیں۔ اور الاؤ کے گرد اب ایسے ایسے مجمع لگنے شروع ہو گئے تھے۔ جو بھولی بالی اور سیدھی سادی باتوں سے گزر کر برائیوں اور غیبتوں سے اب اپنا جی بہلایا کرتے تھے۔

چپالوں پہ بیٹھ کر ایک دوسرے خلاف زہریلی اسکیمیں بنائی جاتی تھیں۔ اور کھلیانوں میں برہا کی دل میں اتر جانے والی لمبی اور اونچی تانوں کی جگہ جگہ کھسر پھسر سنائی دیتی تھی۔

اپنے بیگانے ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کے سائے سے بدکنے لگے تھے۔ پورے قصبہ میں شک اور شبہہ کی نگاہوں کا جال بچھ گیا تھا۔

برجموہن سرتیل کے انگلستان جانے کے بعد ہی شہر میں آ کر ایک مل میں کلرک ہو گیا تھا۔ مہنگائی ملا کر اسے کل ایک سو پانچ روپے ماہوار ملتے تھے۔ اور اس ایک سو پانچ روپے ماہواری سے وہ اپنے خرچ کے لئے صرف ساٹھ روپے مہینہ رکھ کر بقیہ روپے اپنے باپ کو بھیج دیا کرتا تھا۔ وہ بڑی دیانتداری اور انہماک سے اپنا کام کرتا۔ ڈیوٹی تو ویسے آٹھ گھنٹے روز کی تھی۔ مگر کام اتنا زیادہ تھا۔ کہ بیچارے کو ڈیوٹی کے بعد بھی دو یا تین اور کبھی کبھی چار یا پانچ گھنٹے تک کام کرنا پڑتا تھا۔

اور اس کی اس عادت کے اور منکسر المزاجی سے مل کے منیجر صاحب اس سے بہت خوش تھے۔ اور یہ ان کی اسی خوشی اور اعتماد کا نتیجہ تھا۔ کہ انہوں نے مل کے

کام کے علاوہ اسے ازراہ کرم اور ازراہ مہربانی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اپنے بنگلہ پر بھی بلانا شروع کر دیا تھا۔ اور وہ غریب اپنے فرصت کے اوقات میں اپنے مینجر صاحب کے بنگلہ پر پہنچ کر اپنا سر کھپانے لگا۔

اور چونکہ وہ بہت زیادہ قابل اعتماد آدمی ثابت ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس کے اخلاق کریمانہ کی خبر مل کے مالک لالہ گنپت لال، ہیرالال کے کانوں تک بھی آ پہنچی۔

انہوں نے اسے ایک دن اسے چھٹی کے بعد اپنے دفتر میں بلا لیا۔

"تم بڑے کام کے آدمی ہو۔"

مل کے مالک لالہ گنپت لال ہیرالال نے اپنے شاندار ائیر کنڈیشنڈ آفس میں اسے بلا کر کہا۔

"جی۔" برجموہن نے ایک نظر ان کے شاندار ائیرکنڈیشنڈ کمرے پر ڈالی۔

"تمہاری تعلیم کہاں تک ہے۔۔۔؟"

"کیا فائدہ اس سے۔۔۔؟" برجموہن نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"سرکاری غیر سرکاری اور پرائیویٹ ہر جگہ ملازمت کی تلاش کے بعد آپ کے مل میں سیکنڈ گریڈ کی کلرکی کر رہا ہوں۔"

"ہوں!"

انہوں نے اپنے سامنے کھلی سنٹرل بنک آف انڈیا کی چیک بک سے چوراسی ہزار کا ایک چیک پھاڑتے ہوئے گھنٹی کا ایک بٹن دبایا۔

"کل سے تم ہمارے آفس میں آ کر کام کرو۔"

"فرق کیا پڑے گا۔۔۔؟"

"تمہیں وہاں کیا تنخواہ ملتی ہے۔۔۔؟"

"ایک سو پانچ روپے۔"

"تمہاری تنخواہ میں پچھتر روپے اضافہ ہو جائیگا۔"

اور ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے۔ کہ ایک باوردی بوڑھے چپراسی نے آکر انہیں سلام کیا اور وہ چپراسی ہزار کا چیک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"کل صبح اسے کیش کراتے ہوئے لانا ۔۔"

چپراسی نے وہ بک ان کے ہاتھ سے لیا۔

اور وہ برجموہن کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔

"اور ہاں تم ذرا روز شام کو آکر میرے انکم ٹیکس کے کھاتوں کو بھی دیکھ لیا کرو۔"

"جی ۔۔"

برجموہن کچھ اور کہنے جا ہی رہا تھا۔ کہ یکبارگی دروازہ کھلا۔ اور ایک تیز و طرار قسم کی خوبصورت لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ لڑکی جوان تھی۔ اور آتے ہی لالہ گنپت لال ہیرالال سے بولی۔

"پتاجی ۔۔ وہ میری کیڈی لیک ابھی تک کیوں نہیں آئی ۔۔؟"

"وہ کل آجائے گی ۔۔"

"آج کیوں نہیں آئی ۔۔؟"

وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"معلوم ہے آپکو کہ سرسوتی سے یہ شرط لگائی ہے۔ کہ آج رات میں کیڈی لیک لے کر ریگل آؤں گی۔ وہ میرا انتظار کیڈی لیک پر کرے گی۔

"بھئی یہ شرط والی بات تو مجھے معلوم نہ تھی۔ تم نے فون کیوں نہیں کر دیا۔؟"

"مگر مجھے وہ گاڑی ابھی چاہیئے۔ اسی وقت۔"

"شوروم بند ہو چکا ہوگا شاید" وہ بولے "گاڑی بک ہو چکی ہے۔ صرف اس کے یہاں نہ آسکی۔ کہ رجسٹریشن کا جھگڑا باقی تھا۔"

"وہ جھگڑا کل چکائیے گا۔ آپ" لڑکی نے ریسیور اٹھالیا۔

گیا نمبر ہے شو روم کا۔"

"8853"

اور لڑکی نے ڈائل گھمایا۔

"یہ لیجئے ریسیور" اسے سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

SEND THE SAID CAR IMMEDIATELY (گاڑی فوراً بھیج دو)

انہوں نے فون پر کہا۔

"نہیں" لڑکی نے لقمہ دیا۔

ASKTHEMTO KEEP IT READY

(ان سے کہو کہ گاڑی تیار رکھیں) وہ برجستہ بولی۔

میں وہیں جا کر لے لیتی ہوں۔

اور پھر وہ بغیر کسی جھجک کے برجموہن کی طرف مخاطب ہوئی۔

YOUCOMPANY ME (تم میرے ساتھ چلو)

اور بھونچکا ہو کر برجموہن اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

COME ON وہ تیزی کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی۔ (چلو جلدی)

اور برجموہن ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

I AM TACING HIM (میں انہیں لے جا رہی ہوں)

وہ جاتے ہوئے بولی۔ اور گردن کی ذرا سی جنبش سے سیٹھ صاحب نے اپنی بیٹی کو اجازت دے دی۔ اور حکم کے غلام کی طرح برجموہن بڑا متحیر اور حیران اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

بلڈنگ کے نیچے ایک کار کھڑی تھی۔ اور یہ دونوں اس گاڑی پر بیٹھ کر شوروم کی طرف روانہ ہو گئے۔ لڑکی گاڑی خود ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور برجموہن نہ جانے کس سوچ میں ڈوبا ہوا اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

شوروم کے پاس پہنچ کر لڑکی نے گاڑی روکی۔ اور لپک کر ایک پٹھان نے کار کا دروازہ کھولا۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی شوروم میں داخل ہو گئی۔

YES MISS ANITA منیجر اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں ہے گاڑی"۔۔۔

THIS WAY PLEASE "اس طرف تشریف لائیے"۔

منیجر بڑی عزت اور احترام کے ساتھ اسے ایک طرف لے گیا

"کیوں صاحب۔ کیسا ہے یہ کلر۔۔۔؟" انیتا نے برجموہن سے مخاطب ہو کر سوال کیا

برجموہن اس غیر متوقع سوال پر حیران رہ گیا۔ مگر اس نے برجستہ رائے دی۔

"اگر آپ کو پسند ہے۔ تو اچھا ہے"۔

"مجھے تو پسند ہے"۔

"مگر مجھے تو اس سے زیادہ وہ رنگ پسند ہے۔" برجموہن نے پاس ہی کھڑی ہوئی دوسری گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی پہلی رائے بدل دی۔

"اچھا"۔ انیتا مسکرائی۔

"تو یہی لئے لیتے ہیں"۔

"یہ گاڑی باہر نکلوا دو۔۔۔"

اس نے منیجر سے کہا۔ اور پھر وہ میز کے قریب واپس آ کر بولی۔

"اپنے کسی آدمی سے کہو۔ کہ وہ میری PLYMOUTH میرے بنگلہ پہنچا دے۔

"OK SIR بہت بہتر جناب" مینجر نے سر جھکایا۔

تازہ ترین ماڈل کی کیڈی لیک صاف سفاف سڑک پہ تیرتی ہوئی چلی جا رہی تھی انیتا کے خوبصورت بال تیز ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اور اس کے جسم سے لطیف قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں نکل رہی تھیں۔ برجموہن اس کے قریب گم سم بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نہ جانے کس دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ کہ یکبارگی اسپرنگ کے جھٹکوں نے اس کے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ انیتا ایک چکی بیچنے والے لڑکے کو ڈانٹ رہی تھی۔

"اندھا بن کر سڑک کراس کرتا ہے۔"

اس نے لڑکے کے سر پہ ایک ہلکی سی چپت لگائی۔

"بیوقوف ابھی مر جاتا تو۔۔۔؟"

"اس مصیبت کی زندگی سے نجات مل جاتی میم صاحب"

"لڑکے نے اس کی طرف اشک آمیز نظروں سے دیکھا۔

"FOOL" انیتا نے گاڑی آگے بڑھائی۔

اور اب اس کی گاڑی پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سڑک پر پھسل رہی تھی۔ جیسے کل وہ ایک لمحہ کو، جو کہ ابھی وہ اس کے رک جانے سے آگے نکل گیا تھا۔ دوڑ کر پکڑ لینا چاہتی ہو۔۔۔"

"آپ فلسفی معلوم ہوتے ہیں۔۔۔"

"انیتا نے یونہی ذرا انکھیوں سے برجموہن کی طرف دیکھا۔

"یہ اندازہ کیسے ہوا آپ کو۔۔۔؟"

اور برجموہن کے اس سوال پہ وہ خفیف سا مسکرا دی۔

ریگل کے پاس پہنچ کر انیتا نے گاڑی روک دی۔ آگے بڑھ کر چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ اور برجموہن کو دس روپیہ کا نوٹ پکڑاتے ہوئے بولی۔

"ڈریس سرکل کے تین ٹکٹ۔ لے لیجیے۔"

برجموہن بڑی خاموشی کے ساتھ دس روپیہ کا نوٹ لے کر اتر گیا۔ اور وہ گاڑی پارک کرنے چلی گئی۔ اور جب وہ واپس آئی۔ تو اس کے ساتھ ایک لڑکی اور تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔

"مٹھائی کھلاؤ۔ سرسوتی" وہ اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے آنے سے پہلے ہی میں یہاں کیڈی لیک لے کر پہنچ گئی ہوں۔"

"واقعی تم بڑی خوش نصیب ہو" سرسوتی رشک کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"اور میں ہوں۔ کہ ابھی تک وہ منحوس بڑھیا پلیمر کار ڈھی گھسیٹ رہی ہوں۔"

"اپنے اپنے داؤ پیچ ہیں یہ۔" انیتا نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر وہ اپنی گھڑی دیکھ کر بولی۔

"ابھی تو سو میں پندرہ منٹ ہیں۔ چلو" GRILL میں آئس کریم کھائی جائے"

"اور ٹکٹ۔" سرسوتی نے بکنگ ونڈو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ انتظام ہو چکا ہے۔"

انیتا نے برجموہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو ان دونوں کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا

"آیئے۔" اس نے برجموہن سے کہا۔

اور کچھ اس انداز سے کہا۔ کہ برجموہن پھر کوئی عذر نہ کر سکا۔ اور اب وہ تینوں GRILL میں بیٹھے DEEP SIA (ایک قسم کی آئس کریم) کا مزہ لوٹ رہے تھے۔

"ہم گنتی میں زیادہ ہیں، جب بھی وہ ہمارا خیال نہیں کرتے۔"

"ہم نے چوڑیاں جو پہن رکھی ہیں۔ ان کے سامنے" رادھے شیام نے آگ کو ہوا دی "دیکھ لینا۔ اگر کل وہ ہمارے منہ پر نہ تھوکیں۔ وہ تو گائے کا ہڈا ٹھونسیں گے۔ ہمارے منہ میں۔ دیکھ لینا۔"

"مر گئے۔ ہڈا ٹھونسنے والے" بھاری نے چک کر لا "سنبھالی

"بھیجا باہر نکال لیں گے۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے" گردھاری ملائمت سے بولا۔

"آپس کی پھوٹ بہت بری ہوتی ہے، عقل سے کام لو۔۔۔"

"چپ رہو کاکا" رادھے شیام نے چڑھ کر جواب دیا۔

"عقل، عقل۔ اسی اکل پکل کے پیچھے تو ہم نے اپنے منہ پر تھکوایا ہے۔ ان ملیچھوں سے۔"

"میں جانتا ہوں" گردھاری نفرت کے ساتھ بولا۔

"تیری ایک ایک چال کا پتہ ہے مجھے"

"کیا پتہ ہے۔ بھلا تمہیں؟"

"یہی، کہ تو قصبہ بھر کے ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتا ہے"

"میرا الّو۔۔۔ رادھے سیام پر چڑ گیا۔

"کیا ہے۔ میرا الّو۔۔۔؟"

"جاگیردار کی چاپلوسی۔۔۔ اس کا انعام۔"

"یہ بات تو گردھاری کا ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔"

ایک نوجوان بولا۔۔۔

"میں ایک بہت ہی تنگ گلی میں رہتا ہوں۔ اور آپ کی شاندار گاڑی اس گلی میں سما نہ سکے گی۔"

"کیا نام ہے۔ اس گلی کا ؟"

"پیرو لین۔ ساتویں گلی۔"

"کہاں ہے یہ ؟"

"میں نے عرض کیا نہ آپ سے۔ کہ آپ راستہ بھول جائیں گی۔"

"بھٹکنے میں بھی کبھی کبھی مزہ آتا ہے۔ کھوج بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"پیرو لین۔ ساتویں گلی پریڈ کے سامنے۔"

انیتا نے کار کی رفتار تیز کردی۔ جیسے کہ اسے منزل کا پتہ مل گیا ہو۔ وہ دونو خاموش اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے اڑے جا رہے تھے۔ کہ تھوڑی دیر بعد پریڈ آگیا۔

انیتا نے کار کی رفتار دوبارہ دھیمی کی۔

"کس طرف ؟"

"وہ سامنے —— داہنے ہاتھ۔"

اور گلی کے سامنے پہنچ کر انیتا نے گاڑی روک دی۔ برجموہن باہر آگیا۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا"

اس نے گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے انیتا کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالتے ہوئے انیتا سے بولا۔

"یہ لیجئے۔"

"کیا ہے یہ ——؟"

"یہ تین روپے آٹھ آنے ہیں" ——

"یہ کیوں؟"

آپ نے نوٹ دس کا دیا تھا اور دو ٹکٹ چھ روپے آٹھ آنے کے ہوتے ہیں۔

"اور تیسرا ٹکٹ —!"

"وہ میری اپنی ذمہ داری تھی۔"

"مگر وہ ذمہ داری میری وجہ سے آپ کے سر پڑی تھی۔"

اور یہ کہہ کر وہ کار آگے بڑھانے ہی والی تھی کہ برجموہن نے اس کی کار روکی

"یہ ظلم ہوگا میرے اوپر۔" اس کی آواز میں التجا تھی۔

"OK" انیتا نے ہاتھ بڑھا کر روپے لے لئے۔

"اب تو تکلیف ختم ہو گئی آپ کی؟"

"جی شکریہ —"

"کیا نام ہے آپ کا —؟"

"برجموہن —"

"کیا کام کرتے ہیں آپ؟"

"مل میں کلرک ہوں —؟"

"کس مل میں —؟"

"گنپت لال، ہیرا لال مل میں —"

اوہ —! انیتا نے برجموہن کو بغور دیکھا۔

"کلرک نہ ہونا چاہئے تھا آپ کو۔"

اور یہ کہہ کر بغیر کسی جواب کا انتظار کئے ہوئے اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور برجموہن کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی گاڑی بڑی ہی تیزی کے ساتھ نظروں سے دور چلی گئی اور برجموہن کچھ دیر تک اسی جگہ بے حس و حرکت کھڑا نہ جانے کیا سوچتا رہا۔

پلاٹ کے وسیع میدان میں ٹریڈ یونین کا ایک بہت بڑا جلسہ تھا۔ شہر بھر کے مزدور اس جلسہ میں شریک تھے۔ مزدوروں کے علاوہ کلرک، طالب علم، اسکول، ماسٹر اور دوسرے چھوٹے موٹے کام کرنے والوں کی تعداد بھی بڑی خاصی تھی۔ اسی جلسہ میں برجموہن بھی تھا اور وہ آج اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی ایسے جلسے میں شریک ہوا تھا جس میں محنت کش عوام کی ضروریات زندگی اور ان کی جائز مانگوں پر بحث کی گئی تھی۔

وہ بڑے انہماک اور غور کے ساتھ مقرر کے ایک ایک لفظ کو سن رہا تھا۔

مقرر کی آواز میں بلا کا اثر تھا۔ انتہا کی روانگی تھی۔ اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں ملک کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی دردناک زندگیوں کا نقشہ تھا۔ دلوں کی آہیں تھیں اور جگر کا سوز تھا۔ ان گنت آنکھوں کے آنسوؤں کا سیلاب تھا اور معصوم دلوں کی فریادیں تھیں۔ ننگے اور ٹھٹھرے ہوئے جسموں کی سرد آگ تھی۔ اور مظلوموں کی کبھی نہ سنی جانے والی چیخیں تھیں۔ ایک درد تھا۔ ایک بےچینی تھی۔ ایک سوز تھا اور اتنی سچی باتیں تھیں جنہیں لاکھ ہٹ دھرم ہونے پر بھی کوئی جھٹلا نہیں کہہ سکتا تھا۔

پونجی پتی اور سرمایہ داروں کی تصویریں تھیں ایسی تصویریں جو مقرر کے ایک ایک لفظ سے عریاں ہو ہو کر اپنے اصلی روپ میں سامنے آ جا رہی تھیں۔

دولت کی لوٹ اور محنت کش عوام کی محنتوں پر ڈاکے کی اتنی واضح اور دل میں اتر جانے والی سچی دلیلیں تھیں جس سے انحراف ناممکن تھا۔

برجموہن تو خیر پڑھا لکھا تھا۔ اور اسی نے اسے ان سچی اور صحیح باتوں کے پرکھنے میں

ذرا بھی دیر نہ لگی مگر تعجب اور حیرت تو اس بات کی تھی کہ وہ لوگ بھی اس تقریر سے اثر انداز ہو رہے تھے جو قطعاً جاہل تھے۔ غائت درجہ نا سمجھ اور بھولے تھے۔

اور برجموہن نے مقرر کی سچائی کو اس ایک بات سے بھی پرکھا۔ اور جب تقریر کے خاتمہ پر مقرر کی آواز کے ساتھ پورا مجمع انقلاب زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا تو ان ہزاروں آوازوں میں خود برجموہن کی آواز سب سے اونچی تھی جو بغیر کسی کوشش کے خود بخود اس کے دل کی انتہائی گہرائیوں سے کھینچ کر باہر آ گئی تھی۔

اور پھر اس رات، رات بھر برجموہن چین کی نیند نہ سو سکا وہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی یہی سوچتا رہا کہ اس کے ملک کے لاکھوں اور کروڑوں انسان کتنے دکھی ہیں کتنے دل برداشتہ ہیں اور کتنے دلگیر ہیں۔ انہیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی۔ تن ڈھکنے کو کپڑا نہیں ملتا۔ اور سونے کے لئے کھلے آسمان کے علاوہ کہیں اور جگہ نہیں ملتی۔ ان کے مکانات سور کے باڑوں سے زیادہ بدتر، تاریک اور گھٹے ہوئے ہیں۔ وہ بیچارے سڑک کے کناروں پر فٹ پاتھوں پر اور کھلے ہوئے میدانوں میں پڑے رہتے ہیں۔ سردی میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر جان دیدیتے ہیں۔ اور برسات میں عمارتوں کے زینوں پر اور دوکانوں کے پائیوں کے نیچے گندی اور سڑی ہوئی نالیوں کے اوپر اکڑوں بیٹھ کر رات گزار دیتے ہیں۔

لاکھوں کی تعداد میں مائیں بہنیں اور بیٹیاں ایسی ہیں جو اپنے ستر کو بھی ٹھیک طریقہ پر نہیں ڈھک سکتیں بچے بھوک سے بلک بلک کر ماؤں کی خشک چھاتیوں کو نوچ نوچ کر جاتے ہیں اور بوڑھوں کے ناتواں جسم موسموں کی پیہم یورشوں کی تاب نہ لا کر بے جان ہو جاتے ہیں۔

زندگی میں پہلی بار آج برجموہن کو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ اب تک وہ تاریکی میں بھٹکتا

رہا۔ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی وہ اب تک اندھا تھا اور کان ہوتے بھی وہ بہرا تھا۔ وہ اب تک اپنی آنکھوں سے اپنے ملک کے لاکھوں مجبور لاچار انسانوں کی مجبوریوں اور لاچاریوں کو نہ دیکھ سکا اور اب تک پس ماندہ اور ستائے ہوئے بیکس انسانوں کی دلدوز چیخیں اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا سکیں۔

وہ اپنے پر نفرین کرنے لگا۔ اسے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی چڑ پیدا ہو گئی اسے اپنے آپ سے اور اس نے سوچا کہ اپنی عمر کا طویل حصہ اس نے یونہی ضائع کر دیا۔ یونہی بے کار اور فضول وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس نے اب تک حقیقت کو نہ پہچانا اور اب تک وہ ان حادثات کی طرف سے آنکھیں میچے رہا جو روزانہ آئے دن، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اس کی نظروں کے سامنے سے گذرتے رہتے ہیں۔

وہ اب تک زبان ہوتے ہوئے بھی گونگا بنا رہا اور آج تک اس نے انسانیت سوز مظالم کے خلاف ایک لفظ نہ کہا۔ ایک آواز بھی نہ اٹھائی۔ کسی قسم کا معمولی سا بھی احتجاج نہ ہو سکا اس سے۔

اس نے سوچا کہ اس نے پڑھ لکھ کر کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ وہ محض کتابوں کا کیڑا بنا رہا اور اپنی فضول کتابوں کو رٹ رٹ کر وہ امتحانات میں کامیاب ہوا گیا جیسے کہ طوطا جو رٹ رٹ کر وہ سب کچھ سیکھ لیتا ہے جو کہ اسے سکھایا جاتا ہے یا جو کہ اسے سیکھنا چاہئے۔

اور خیالات کے انہیں ہجوم میں وہ رات بھر نہ سو سکا۔ وہ رات بھر جاگتا رہا اور بے چین ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اور سپیدہ سحر سے ساری کائنات نور میں نہانے لگی۔

مرغ بولنے لگے۔ درختوں پر چہچہاتے ہوئے پرندوں نے ایک نئی صبح کا خیر مقدم کیا ایک ایسی صبح جو زندگی کی توقعوں سے بھرپور ہو۔

برجموہن ایک غریب طبقہ کا فرد تھا۔ وہ گاؤں کے ایک ایسے غریب کسان کا بیٹا تھا جس غریب کو دن رات کی کٹھن اور اکتا دینے والی محنت کے بعد بھی اتنا نہ ملتا کہ وہ اپنا اپنی بیوی کا اور اپنے معصوم بچے کا پیٹ بھر سکے۔ زمیندار کی ناقابل برداشت گالیوں اور گھڑکیوں کے بعد بھی وہ اس قابل نہ ہو سکا کہ زندگی کی کوئی خوشی اس کا کوئی عیش، اس کی کوئی مسرت کا ایک عنصر بھی وہ اپنے بچے کو دے سکے۔

اس نے خود اپنی خداداد ذہانت اور اپنے حد سے بڑھے ہوئے شوق کی بنا پر پڑھنا لکھنا سیکھا۔ مانگ تانگ کر کتابیں پڑھیں اور راتوں رات بھر مٹی کے جگ مگ کرتے ہوئے دیئے کی روشنی میں اپنی آنکھیں پھوڑیں۔ اور پرائمری اسکول سے پرائمری اسکول تک پہنچنے میں اسے بڑی دشواریاں کا سامنا ہوا۔

اور پھر اس کے شوق کو دیکھ کر اس کے باپ نے اپنا پیٹ کاٹ کر، اپنی بیوی کا پیٹ کاٹ کر اس کے لئے کتابیں، قلم دوات، کاپی، کاغذ اور پنسلیں جمع کیں اور اسے پڑھایا۔ اور پھر جب ذرا وہ کسی قابل ہوا تو اس نے ٹیوشنز کئے ہوئے بچوں کو پڑھایا اور خود بھی پڑھا۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اسکول کی فیس معاف کرائی، وظیفے لئے۔ اور جب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوا پڑھا لکھا کہا جا سکے۔ مر کھپ کر اس نے بی۔ اے کر ہی لیا۔

مگر محض کالج سے ڈگری لے کر تو انسان کچھ سیکھتا نہیں ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کی ناقص اور یکساں تعلیم ماسوا کلرک پیدا کرنے کے اور کوئی شعور، کوئی تربیت تو کسی کو دیتے نہیں۔ اور یہی حال برجموہن کا بھی تھا کہ وہ پڑھ لکھ کر کلرک تو بن گیا۔ مگر صحیح

معنوں میں کوئی شعور نہ پیدا کر سکا اپنے اندر۔ دنیا کے نشیب و فراز، در او نچ نیچ سے اسے کوئی آگاہی نہ ہو سکی۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ سرمایہ کیا ہوتا ہے۔ اور کلرک کیا چیز ہے۔ سرمایہ کیسے بڑھتا ہے اور مزدور بھوک کیوں مرتے ہیں۔ وہ یہ بات نہ سمجھ سکا کہ حالات کو اپنے حق میں اپنے مطابق اور اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لئے کن باتوں کی ضرورت ہے۔ زندگیوں کو بہتر بنانے کے۔ اور نئی زندگیوں کو پرانی زندگیوں سے الگ کیوں اور کس طرح لینی چاہئے۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ محنت کشوں کے فاقوں، بھوک، بیکاری اور بیکاریوں کی بنیو پر سرمایہ دار طبقہ اپنی عمارت اور شان و شوکت کے محل کیونکر اور کس طرح تعمیر کرتا ہے۔ شہر کے مل مالکوں اور بڑی بڑی تجارتوں میں کروڑوں روپیہ لگانے والے۔ سرمایہ داروں کی منافع خوری کا ایک وسیع سلسلہ جال کی طرح دیہاتوں کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے درمیان کسطرح پھیلا ہوا ہے۔

وہ لالہ گنپت لال، ہیرالال کے مل میں کلرک رہا بیٹھ کر رجسٹر کو مفت پڑھتا رہا اور سمجھتا رہا کہ یہی اس کی زندگی ہے۔ اور اسی طرح چھ مہینے گذر گئے۔ اور پھر وہ مل مالک کے دفتر میں کام کرنے لگا۔ کام کرتا رہا۔ بغیر کسی جستجو اور تلاش کے اور چار پانچ مہینے اسے یہاں بھی گذر گئے۔

مگر ٹریڈ یونین کانگریس کے جلسے میں جا کر اس کی آنکھیں یکبارگی کھل گئیں اور جب اس نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا اور حالات کو پرکھنے کی عادت ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ یہ سارا گورکھ دھندا ہے اصل سرمایہ دارانہ نظام کی ایک کس چین ہے جو سارے ملک کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے ہے۔ اور یہ ایک ایسی خطرناک سازش ہے جس کی جڑیں عوامی زندگیوں کے اندر دور دور تک سرایت کر گئی ہیں۔

اور پھر یہ سب کچھ جان کر اس میں خود اعتمادی پیدا ہو گئی۔ ایک ایسی جستجو سما گئی اس

دل و دماغ میں جس کی لگن نے اسے سب کچھ سکھا دیا ہے کہ آج صدیوں سے جو یہ زہریلی جڑیں عوامی زندگی میں سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت سما گئی ہیں اسے کس طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ وہ کونسی ایسی صورت ہے جس کے بل بوتے پر ہم ان خطرناک مہلک جڑوں کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

اس نے عوامی رہنماؤں کی باتیں دل کھول کر سنیں۔ ان پر غور کیا اور اس نے اسکے ساتھ ہی ساتھ ان باتوں پر عمل کرنے اور اسے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھانے کا تہیہ بھی کر لیا۔

اس نے ملوں میں اسٹرائکیس چلائیں۔ اسٹرائکوں کو دل کھول کر سہارا دیا۔ اور عوامی مطالبات دھرانے کا سلیقہ سیکھا۔

اس نے ٹریڈ یونین کانگریس کے لیڈروں کے ساتھ مل جل کر اسکیمیں بنائیں بہت سی نئی اور کارآمد باتیں ان سے لیں اور بہت سے مفید مشورے اپنی طرف سے بھی دیئے بھی مزدوروں اور خود اعتمادی اور کبھی نہ تھکنے والی روح اسی نے بھر دی اس نے مزدوروں کو یہ سکھایا کہ اسٹرائکوں کی ناکامی سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ ایک ناکامی کے بعد وہ اور زیادہ خوش قسمت، ہمت اور قوت عمل سے آگے بڑھیں اور بڑھتے رہیں۔

سرمایہ داروں کے پالے ہوئے غنڈوں اور بدمعاشوں سے نہ ڈریں۔ وہ اپنے راستہ پر بڑی ثابت قدمی کے ساتھ گامزن رہیں بالکل اس مست اور ماحول سے بے نیاز ہاتھی کی طرح جو اپنے راستہ چلتا رہا ہے اور کتنے جس کے آگے پیچھے دائیں بائیں بھونکا کرتے ہیں۔

کتوں کا کام بھونکنا ہے اور ہاتھی کا کام راستہ طے کرنا ہے۔

اور یہی وہ چلمہ باتیں تھیں یہی وہ چند خصوصیات تھیں جن کی بدولت تھوڑے ہی

دلوں میں برجموہن پہلا سا برجموہن نہ رہ کر عوامی لیڈر بن گیا۔ مزدور جس کے اشارے پر اپنا سب کچھ ایک ساتھ نثار کر دینے کو تیار تھے اور بڑی سے بڑی اسٹرائیکیں جس کے بل بوتے پر کامیاب ہو رہی تھیں۔

اس نے اپنے اور دوسرے ساتھیوں سے ساتھ مل کر مزدوروں کے مطالبات منوائے تھے۔ اور وہ خردماغ قسم کے سیٹھ، ساہوکار اور پونجی پتی جو پہلے مزدوروں کو ایک حقیر مچھر اور نالی میں رینگنے والے کیڑے سمجھا کرتے تھے۔ اب انہیں مزدوروں کی طاقت کا اندازہ بخوبی ہو چکا تھا۔ وہ ان کی طاقت اور آپ کے آگے جھک گئے تھے ان سے دبنے لگے۔ اور ان کی ہمت کا اندازہ انہیں اچھی طرح ہو چکا تھا۔

برجموہن کو خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ سیٹھوں اور مل مالکوں کے پالے ہوئے کتنے غنڈے قسم کے انسان کئی بار اس پر حملہ آور ہوئے۔ کئی مرتبہ بدمعاشوں نے اس کی جان لینے کی کوشش کی۔ مگر وہ دھن کا پکا انسان وہ سرپھرا مجاہد اپنے راستہ سے ایک انچ بھی نہ ہٹا۔ اس کے پائے استقلال کو ایک بار بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ اسی انہماک، اسی دلچسپی اور اسی لگن کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا۔

اپنی محنت مشقت اور کوشش سے اس نے رات اور دن ایک کر دیئے۔

قصبہ میں جاگیردار کی بن آئی تھی۔ قصبہ والوں کی آپس کی پھوٹ اور رنجش کا نتیجہ یہ ہوا وہ حقیر تنکے کی طرح ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔ جاگیردار جس کے چاہتا ہل نیلام کرا لیتا۔ جس کاشتکار کو چاہتا اپنی حویلی کے سامنے پکڑوا کر اپنے کارندوں سے جوتے لگواتا۔ لگان وقت پر نہ چکانے کے جرم میں وہ کتنے ہی کاشتکاروں کو اراضی سے بیدخل کر چکا تھا۔ کتنوں کے گھروں کی ایک ایک چیز اسنے نیلام کرا لی تھی۔ برتن بھانڈے چولہا چکی اور چھپڑے اور گودڑ تک اس نے نہ چھوڑا۔ عورتیں روتی رہ گئیں بچے بلکتے رہے اور مرد گھگھیا گھگھیا کر پاؤں پر گرتے مگر ان میں سے کسی بات کا اثر نہ ہوا دانے دانے کو محتاج کر کے وہ خوش ہوا اور سر چھپانے کا سہارا چھین کر وہ قہقہے مارتا۔

بہت سے غریب کاشتکار در در کی ٹھوکریں کھانے لگے اور ان کے ٹوٹے پھوٹے گھروں پر بدبخت دل جاگیردار نے ہل چلوا کر دم لیا۔

پرکاش کی ہوسناکیاں زور پکڑ گئیں۔ اس نے دل کھول کر بدمعاشیاں کیں۔ اور بہت سی اچھوتی کلیاں اس کے قدموں کے نیچے لا کر روند ڈالی گئیں۔ اس کے خوشامدی بے حیا اور چاپلوس قسم کے زرخرید غلاموں نے اپنا یہ فرض سمجھ لیا کہ وہ روز ایک نیا شکار پھنسائیں۔ اور اسے تحفہ کے طور پر اپنے آقا کے حضور میں پیش کر دیں۔

بہت سی عفت مآب لڑکیوں نے اپنے منہ پر کالک ملے جانے کے بعد افیم کھالی کوئی کنوئیں میں کود پڑی اور بہت سی ایسی تھیں جو رات کی تاریکیوں میں اپنے ماں باپ کی بدنامی کا خیال کر کے نہ جانے کہاں روپوش ہو گئیں۔

کیا پتہ کہ ان میں سے کتنی ایسی ہوں گی جو بالاخانوں کی زینت بن گئی ہونگی اور کتنی

ایسی ہوں گی جو غنڈوں اور بدمعاشوں کے پھندوں میں پھنس کر اپنی جوانی اور حسن کو ہوسناکیوں کی بھٹی میں مسلسل جلا رہی ہوں گی۔

قصبہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھا سکتا کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ ان ظالموں کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو سکے۔ اور ان سے آنکھ ملا کر بات کر سکے اور یہ سب اس لیے تھا کہ ان میں ایکا نہیں تھا ان کا اتحاد ٹوٹ چکا تھا اور وہ ایک دوسرے کی تباہیوں پر پیچ و تاب کھانے کی جگہ خوش ہونا اور مسکرانا سیکھ گئے تھے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج اس کی باری تھی تو کل اس کی کل اس پر آفت آتی تو پرسوں اس کی شامت بلا دی جاتی۔

اور وہ اسے اپنی تکالیف اور مصیبتوں کا بدلہ سمجھتے کہ ان کے خدا نے اور ان کے ایشور نے ان پر ہنسنے والوں اور ان پر پھبتی کسنے والوں سے بدلہ لیکر ان کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا ہے۔

ابراہیم چاچا اور بدری کاکا اب بھی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ان کے اندھوں کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنی ان آئے دن کی مصیبتوں کی صحیح وجہ سمجھ سکیں مگر ان غریب بوڑھوں کی اب کوئی نہ سنتا۔ ان کا کوئی اثر کوئی رسوخ اب اپنے لوگوں پر باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اور ظلم کی یہ چکی اسی طرح چلتی رہی۔ جاگیردار اسی طرح ننگے جسموں پر کوڑے لگواتا رہا اور پرکاش کی راتیں اسی طرح نت نئے شغلوں کی نذر ہوتی رہیں۔

رام اوتار کی گائے فضل محمد کے کھیت میں گھس گئی۔ اور فضل محمد نے گائے کی ٹانگ توڑ دی اور اس پر رام اوتار اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت فضل محمد کے گھر پر چڑھ آیا۔ اس نے فضل محمد کے سارے کنبے کو گندی گندی گالیاں دیں اور پھر وہ اپنے ساتھیوں

کو لے کر اس کے گھر کے اندر گھس گیا۔

فضل محمد کے چھوٹے بھائی فضل محمود نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو اس کا سر کھل گیا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر فضل محمد بھی آ دھمکا۔

"سالے کافر کی اولاد ادھر آ ؟"

کہتے ہی فضل محمد نے لاٹھی کا ایک بھرپور وار رام اوتار پر کیا اور وہ اپنا شانہ پکڑ کر وہیں جگہ بیٹھ گیا۔ فضل محمد نے کئی لاٹھیاں اس کے سر پر ماریں اور اس کا سر کھل گیا۔

رام اوتار کے ایک ساتھی نے فضل محمد کے سر پر ایک بھرپور ڈنڈا مارا اور پھر وہ سب ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ پورا قصبہ اس ہنگامہ میں شریک ہو گیا اور خوب جی کھول کر چار پانچ گھنٹے تک اِدھر اُدھر یہاں وہاں ہر گلی ہر کوچے اور ہر محلہ میں لاٹھیاں چلتی رہیں لوگوں کے گھروں آگ لگا دی گئی اور پورا قصبہ ہندو مسلم فساد کی اس آگ سے جل اٹھا۔ جاگیردار نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس نے کسی کو نہیں روکا۔ بلکہ وہ اس کا بیٹا پرکاش اور اس کے حواری دھوتے گھولے یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے وہ دور کھڑے اس آگ کو تاپتے رہے جو آج اتنے دنوں کے بعد انہی کی مسلسل اور انتھک کوششوں سے سارے قصبہ میں بھڑک اٹھی تھی۔

ان گنت سر کھل گئے، ٹانگیں ٹوٹیں، ہاتھ ٹوٹے اور سارا قصبہ لہولہان ہو گیا اور پھر کہیں جا کر جب کہ وہ خوب اچھی طرح لڑتے لڑتے پست ہو گئے تھے۔ جاگیردار نے آدمی بھیج کر پولیس کو اطلاع کرائی تھانے پر خبر پہونچائی گئی کہ قصبہ میں ہندو مسلم فساد ہو گیا ہے

پولیس آئی۔ داروغہ جی تشریف لائے۔ اور ان لوگوں نے آتے ہی تقریباً پورے قصبہ کو دھر لیا جو صاحب حیثیت تھے وہ منہ مانگی رشوت دے کر بچ گئے اور جو رشوت

نہ پوری کرسکے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ضمانتیں ہوئیں مچلکے بنے گئے۔ مار پیٹ کی گئی اور زدو کوب کیا گیا۔

تفتیش کے پردوں میں جیبیں بھری گئیں اور چھان بین کے صلہ میں انواع و اقسام کی دعوتیں ہوئیں۔

اخبارات کے ذریعہ اس ہنگامے کی اطلاع رجو ہن کو بھی ملی کہ اس کے قصبہ میں سخت قسم کا ہندو مسلم فساد ہو گیا ہے اور وہ بیچارا اس نئی افتاد پر شہر سے بھاگا بھاگا آیا۔ اور جہاں تک ہو سکا حالات کو سمجھانے اور سنوارنے کی کوشش کی۔

اس کا باپ پٹواری اور جیتی جاگتی چپقلش سے اس طرح بچا کہ اس دن وہ قصبہ میں تھا ہی نہیں وہ پاس کے کسی گاؤں میں السی کا سودا کرنے گیا تھا۔

عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ گواہیاں گذریں اور پولیس کے بیانات کی روشنی میں حالات کا جائزہ لیا گیا اور لیڈی بیرسٹر مس قدوائی سلمیٰ کی کوششوں سے حالات جو کہ نہ جانے کس حد تک خراب ہو جاتے بہت کچھ سنبھل گئے پھر بھی بہتوں کو سزا ملی۔ جرمانے ہوئے اور اجتماعی طور پر پورے قصبہ کو تاوان دینا پڑا۔ جرمانے کی رقم دس ہزار مقرر کی گئی۔

اور اب اس ہنگامے کے بعد قصبہ والوں کی آنکھیں کھلیں۔ انہیں اندازہ ہوا کہ آپس کی اس پھوٹ سے وہ کتنے برباد ہوئے ہیں۔ کتنے ذلیل ہوئے ہیں۔ اور کتنی مصیبتوں کا سامنا انہیں کرنا پڑا ہے۔

بھوک کو جنم کر دیتا ہے۔

اور اس ایک ہفتہ کے اندر قصبہ میں کئی بڑے بڑے جلسے بھی ہوئے۔ اور ان جلسوں میں ہندو مسلمان سبھی آ کر شریک ہوئے۔ پورا قصبہ امڈ امڈ آیا اور ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے برجموہن نے یہی سب باتیں ان لوگوں کو بتائیں اور سمجھائیں۔

اس نے دل میں اتر جانے والی تقریریں کیں اور پورے قصبہ کے کاشتکاروں کو ایک ایسی روشنی دی جو لازوال تھی ایک ایسی بات انڈیلی ان کے کانوں میں جو امر تھی اور جس کی تاثیر گیتا کے پاٹھ اور رامائن کے بولوں سے بھی زیادہ پراثر اور بامقصد کہی جا سکے اس نے گیتا رامائن اور قرآن کریم کی لمبی لمبی تفسیروں کو یکجا کر کے ان مقدس کتابوں کی روح، اور افکار فرمان ان کے دلوں میں اتار دیا۔ ان کے دماغوں میں ان مقدس کتابوں کی سچی تفسیریں سمو دیں اس نے۔

اس نے انہیں بتایا کہ کوئی آسمانی کتاب یہ نہیں سبق دیتی کہ تم ظالموں کا آلہ کار بن جاؤ۔ کسی مذہبی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ تم جانوروں کی طرح زندگی گذارو۔ بلکہ ان کتابوں میں یہی لکھا ہے جو میں تم سے بیان کر رہا ہوں۔ یعنی یہ کہ تم ظلم کا مقابلہ کرو اور ظالموں کے آگے کبھی سر نہ جھکاؤ۔ آپس میں اتحاد رکھو۔ اتفاق کرو۔ اور مل جل کر اپنی محنت اور اپنی زندگی کے محافظ بن جاؤ۔

کوئی مذہب یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذہب والوں کو قتل کرو۔ دوسروں کے خون سے محض اس لئے ہاتھ رنگ لو کہ وہ تمہارے مذہب پر کیوں نہیں چلتا۔ مذہب میں جبر نہیں ہے اور تم بھی کسی پر جبر نہ کرو۔ کسی کے دین کو برا نہ کہو۔ اور کسی دین کے رہبر کو گالیاں مت دو آپس میں مل جل کر رہو۔ اور اتفاق و اتحاد کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اس لئے کہ اسی میں تمہاری نجات ہے اور اسی کے سہارے تم اپنی زندگیوں کو کامیاب بنا سکتے ہو۔

اور اب ایک ایک کر کے ان لوگوں کو جاگیردار کی منظم سازش کا اندازہ ہونے لگا۔ ان کی عقلیں ٹھکانے پر آگئیں۔ اور وہ سوچنے لگے کہ سائیں اور راد ھے شیام کی لگائی بجھائی میں آکر انہوں نے اس قلیل مدت میں اپنا کتنا شدید نقصان کیا ہے اور اب وہ اپنے آپ پر نفریں کر رہے تھے۔

ایک ہفتہ تک برجموہن قصبہ ہی میں رہا وہ قصبہ کے ہر فرد سے ملا ایک ایک سے اس نے بات کی اور انہیں ان کی حماقتوں سے آگاہ کیا سان لوگوں کو سمجھایا کہ ان کی پھوٹ دراصل جاگیردار کا منشا تھی اور ان کے ایکے کو توڑنا ہی اس کی سب سے بڑی کوشش۔

اس نے بھولے بھالے دیہاتیوں کو بہت سی نئی نئی باتیں سمجھائیں۔ انہیں خوب اچھی طرح بتایا کہ دراصل یہ جاگیردار، زمیندار اور سیٹھ۔ ساہوکار قسم کے لوگ کیا چاہتے ہیں۔ انکا اصل مقصد کیا ہے۔

وہ یہی چاہتے ہیں کہ مزدوروں اور کسانوں میں کبھی ایکا نہ رہنے پائے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہیں۔ وہ ایک دوسرے سے لڑیں بھڑیں اور اپنی طاقت کو کبھی متحد نہ ہونے دیں اسلئے کہ اگر ان کی طاقتیں متحد ہو گئیں۔ تو پھر ان کے منافع میں کمی آجائے گی۔ اور انکا کاروبار لاکھوں اور کروڑوں کی منزلیں سے گزر یگا۔

مزدور اور کسان متحد ہو کر اپنا جائز حق مانگیں گے۔ اور ان کا یہ جائز حق ہی تو ہے جسے ہضم کر کے سرمایہ دار لاکھوں اور کروڑوں کا مالک بن جاتا ہے یہ اسی محنت کش طبقہ کی محنت کا نتیجہ ہے کہ سرمایہ داروں کے محلوں میں رات کے وقت بھی تاریکی نہیں جبکہ یہی وہ دولت کی چکاچوند ہیں پیدا ہوتا ہے اور اسی کی چکاچوند روشنی میں وہ ہم محنت کشوں پر ظلم ڈھاتا ہے۔ لاکھوں کی محنت ایک کا عیش بن جاتی ہے اور ایک کا عیش لاکھوں کی

اور برجموہن کی ان زندہ تقریروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصبہ کا ہر فرد اپنے آپ پر اور اپنی پچھلی حماقتوں پر نفریں کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ سچ مچ اس سے کتنی بڑی حماقت سرزد ہوئی تھی اور کتنی بڑی بھول کا وہ مرتکب ہوا تھا۔

اور اب سارا قصبہ ایک نئے عزم اور ایک نئی قوت کے ساتھ اٹھا اور ایک دوسرے کے شانے سے شانہ ملاکر کھڑا ہوگیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے دل سے معافیاں مانگیں اور اب وہ پھر شیر و شکر تھے پہلے سے زیادہ قوت اور اتحاد کے ساتھ وہ سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوگئے تھے۔

ہندؤں، مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں میں کوئی تفریق باقی نہیں رہ گئی تھی وہ سب کے سب بھائی تھے سگی اولاد تھے، وہ بھارت ماتا کی اور آج بھارت ماتا کو اپنے ان فرزندوں پر فخر تھا۔ اور اس کی آنکھیں ممتا کے پرجوش آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور اس کا سر فخر سے اونچا ہوگیا تھا

جاگیردار کی سلو اور جبیں کی نبضوں پر تفکرات کے سائے رینگتے تھے۔ اور اس کی راتوں کی نیند پھر سے حرام ہوگئی تھی۔ اور پرکاش کی پرجوش راتوں میں ویرانیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس کی جوان اور ناپاک امنگوں پر محرومیوں کے بادل چھا گئے تھے۔

رادھے شیام اور سائیں کے مذہبی کارناموں کے طفیل پورے قصبہ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور پوری برادری میں ان کا حقہ پانی بند ہو چکا تھا۔ ان کی شکلوں پر پھٹکار برسنے لگی تھی جاگیردار کے انعام واکرام کی بارش تھم چکی تھی اور وہ سردالا کمیت ان میں سے کسی کو بھی جوتنے نہیں ملا تھا۔

برجموہن اپنی میز پر جھکا کام کر رہا تھا کہ چپراسی نے آکر اسکے سامنے PEON BOOK - بڑھائی۔ سر اٹھا کر برجموہن نے چپراسی کو یونہی دیکھا اور پیون بک کھول کر اس میں سے اپنے نام کا لفافہ لے لیا اور پیون بک پر دستخط کر کے چپراسی کے حوالے کر دی۔

اس نے لفافہ کھولا۔ یہ اس کے نام ایک نوٹس تھا۔ لکھا ہوا تھا۔

"مسٹر برجموہن!"

تمہاری سرگرمیاں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ تم کمیونسٹ ہو گئے ہو۔ اور چونکہ یہ بیماری ہمارے لئے حد درجہ خطرناک ہے اور ہم اس قسم کے مریضوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے لہٰذا تم کو اس نوٹس کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے کہ تم ہمارا کام چھوڑ دو۔ تمہاری خدمات کی ضرورت اب ہمیں نہیں رہی۔

البتہ اگر تم تحریری معافی نامہ ہمیں پیش کرو اور یہ وعدہ کرو کہ آئندہ تم اس قسم کی تمام تحریکوں سے دور رہو گے جو کمیونسٹوں کا حصہ ہے تو ہم تمہیں از راہ کرم معاف فرما کر نہ صرف یہ کہ تمہاری نوکری بحال کر دیں گے۔ بلکہ تمہیں ترقی بھی مل جائے گی۔ اور اسی تحریر کے نیچے دستخط تھے۔

برائے۔

گنپت لال ہیرالال لمٹڈ

گنپت لال زوہری۔ مینجنگ ڈائرکٹر

نوٹس پڑھ کر ایک زہر خند مسکراہٹ برجموہن کے ہونٹوں پر کھیل گئی اور آپ ہی آپ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ تحریری معافی نامہ ہمیں پیش کرو۔

وہ نوٹس پر اپنی نظریں بدستور جمائے ہوئے تھا کہ اس کے پیچھے سے آواز آئی۔

"کس سے تحریری نامہ منگوایا ہے آپ نے؟"

برجموہن نے گردن گھمائی۔

"مل کے مالک گپت لال زویری صاحب کا فرمان ہے کہ میں تحریری معافی مانگوں۔"

"کس بات کی معافی؟" انیتا نے پوچھا۔

"میں کمیونسٹ ہو گیا ہوں۔"

اور انیتا نے برجموہن کے سامنے سے وہ نوٹس اٹھا کر پڑھا۔

"تو کیا ہوا اس میں وعدہ کر لیجئے کہ آج سے آپ کسی تحریک میں حصہ نہ لیں گے۔"

برجموہن نے طنزیہ نظروں سے انیتا کو دیکھا۔

جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ تم اس سے آگے اور سوچ بھی کیا سکتی ہو۔ تمہاری زندگی کا مقصد سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ تم لاکھوں سے کھیلو، ہر تین مہینے کے بعد گاڑی بدلو، کلبس اور بال روموں کی رونق بڑھاؤ اور خوش رنگ تتلی کی طرح ادھر ادھر اڑتی پھرو۔ اچھا کھاؤ، اچھا پہنو۔ تم کیا جانو کہ دنیا میں اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ ناتے کیا ہوتے ہیں اور عزت کس چیز کا نام ہے۔ تمہارے گھر ہر رات دیوالی ہوتی ہے اور ہر دن دسہرہ۔ تم کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ تم معصوم بچوں کی پلکوں پر ان لرزتے ہوئے چراغوں کو دیکھو جو ان کی معصوم آرزوؤں کی قبروں پر ان کے پیار کرنے والے والدین کی بیکسی بنکر جھلملایا کرتے ہیں۔

تم تو وہ ہو ان میں سے ایک ہو تم جو غریبوں کی بھوک پر اپنی حد سے بڑھتی ہوئی آسودگیوں کے محل تعمیر کرتے ہیں۔ بیواؤں کے جوانمرگ سہاگ کے خون کی سرخی سے تمہارے گالوں پر لالی ہے۔ اور تمہاری آنکھوں کی بے پناہ چمک اس وقت جنم لیتی ہے جب ایک بے بس مزدور کی آنکھوں میں بیکسی کے جنازے ابھرا کرتے ہیں۔

مزدوروں کی آرزوؤں، امنگوں اور ان کی خوشیوں کے خون سے تمہارے ہونٹوں پر لالی

اور سینکڑوں مزدوروں کے جسم جب لاغر ہو جاتے ہیں تو تمہارے جسموں میں گداز پیدا ہوتا ہے اور تمہارے خون میں گرمی اسوقت پیدا ہوتی ہے جب محنت کش عوام کا خون پسینہ ہو کر بہنے لگتا ہے۔"

"کیا سوچ رہے ہیں آپ!"

انیتا نے برجموہن کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کس دنیا میں آپ کھو گئے ہیں؟"

اور انیتا کے اس سوال پر برجموہن کو جیسے ہوش آگیا ہو۔

"کچھ نہیں ہے۔"

اس کے منہ سے یہ جملہ یونہی قطعاً غیر ارادی طور پر نکل گیا اور وہ وہاں سے اٹھکر دوسری میز پر آیا وہ ٹائپ رائیٹر کی مدد سے اپنا استعفےٰ لکھ رہا تھا۔

جناب مینجنگ ڈائرکٹر صاحب گنپت لال ہیرا لال مل

مجھے جس تحریک سے دور رہنے کا آپ مشورہ دے رہے ہیں وہ دراصل میری زندگی ہے اور چونکہ میں خودکشی گناہ سمجھتا ہوں۔ لہٰذا بصد شوق آپ میرا استعفےٰ قبول فرمائیے۔ میں ترقی کے لالچ میں پڑ کر اپنی زندگی سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔

برجموہن؛

"یہ کیا حماقت ہے۔؟"

انیتا نے استعفےٰ پڑھتے ہوئے برجموہن سے سوال کیا اور اس کے سوال میں گھبراہٹ، بےچینی، اضطراب اور مایوسی سبھی کچھ تھی۔

برجموہن نے کوئی جواب نہ دیتے ہوئے وہ کاغذ مشین میں نکالا اور اسے لیکر اپنی میز پر آگیا۔ کاغذ پر اس نے دستخط کئے۔

"مگر میں ایسا کبھی نہ ہونے دوں گی۔"

انیتا نے استعفیٰ اس کے ہاتھ سے چھین لینے کی کوشش کی۔

"بلوائیے۔!"

برجموہن نے اپنا استعفیٰ لفافہ میں بند کیا۔

"جی۔!

"یہ لفافہ سیٹھ صاحب کو دے آؤ۔

"مگر ——"

"نہیں انیتا دیوی — برجموہن نے انیتا کی بات کاٹ دی

"ان معاملات میں اب تو آپ ہی ایشور کی بات بھی نہیں سن سکتا۔

"پتاجی کو اپنا نوٹس واپس لینا پڑے گا۔

کہتی ہوئی انیتا بڑی تیزی کے ساتھ اپنے باپ گنپت لال زویری کے کیبن میں داخل ہو گئی۔

برجموہن صاحب گھر پر ہیں

"نہیں جی میم صاحب"

برجموہن کا نوکر انیتا سے کہہ رہا تھا۔

"صاحب پارٹی کے دفتر گئے ہیں۔

"کس پارٹی کے دفتر؟"

"لال باؤنے والوں کا جو دفتر ہے نہ میم صاحب نوکر نے پتہ بتایا

"وہ وہیں جاتے ہیں۔"

"کمیونسٹ پارٹی آفس۔"

"جی ۔۔۔"

"۵۰۰۴۳ ۔۔۔"

انتہا بڑی تیزی سے ساتھ گلی پار کر کے سڑک تک آئی جہاں اس کی کار فٹ پاتھ سے لگی کھڑی تھی وہ بڑی بےچینی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی اور اب اس کی گاڑی سرعت کے ساتھ سڑک پر تیر رہی تھی۔

پارٹی آفس میں آج سیل کی میٹنگ تھی بڑی اہم اور خاص میٹنگ شہر کے ایک مل کے مزدوروں نے آج کئی دن سے ہڑتال کر رکھی تھی۔ اور ہڑتال کو ختم کرانے کی جائز اور ناجائز کوشش ہو رہی تھی۔ مل مالک کے پالے ہوئے غنڈے کئی بار جلوس کے دوران میں ہنگاموں کی کوشش کر چکے تھے۔ بڑی بڑی لالچوں کا جال بچھا کر مزدوروں کا اتحاد ختم کرانے کی کوشش بھی کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔

ہڑتال کے پورے پانچ دن ہو چکے ہیں اور کل کے جلوس کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے حکومت کی پولیس نے جلوس پر لاٹھی چارج بھی کیا تھا بہت سے مزدوروں کے چوٹیں آئی تھیں۔ اور بہت سے مزدور پکڑ بھی لئے گئے تھے۔

مگر اس پر بھی مزدوروں کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ وہ اپنی مانگوں پر اڑے ہوئے تھے۔ مگر ان مزدوروں کی ہمدردی میں آج شہر کے کئی ایک اور ملوں میں بھی ہڑتال ہو گئی جس میں یہ گنپت لال ہیرا لال مل بھی شامل تھا۔ اور پروگرام یہ بنا تھا کہ آج ان تمام ملوں کے مزدور کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں ایک بہت بڑا جلوس نکالیں گے جو شہر کے مختلف حصوں کا گشت کرتے ہوئے پریڈ کے میدان پر جا کر ختم ہوگا۔ اور پھر وہاں سارے

مزدور جمع ہوں گے۔ اور جلسہ ہوگا جس میں اپنی مانگیں پبلک کے سامنے دہرائی جائیں گی اور آج کے جلسے میں یہ پروگرام بھی طے تھا کہ مزدوروں کے نمائندے تقریریں بھی کریں گے اور اسی جلسہ میں برجموہن بھی تقریر کرنے والا تھا

اور پارٹی ممبروں کی آج کی یہ پرائیوٹ میٹنگ اسی جلوس، جلسے اور تحریک کے سلسلہ میں ہو رہی تھی۔ بہت سی باتیں طے کر لی تھیں اور بہت سے پروگرام مرتب کرنے تھے۔ "جلوس میں کسی قسم کی بد نظمی نہ ہونی چاہئے"۔

ایک کامریڈ نے تجویز پیش کی۔

"ہم نہایت ہی امن کے ساتھ یہ جلوس نکالیں گے نہ اشتعال کی ضرورت ہے اور نہ غلط قسم کے نعرے بازی کی۔

"جلوس کو کئی حصوں میں بانٹ دینا چاہئے"۔

ایک دوسرے کامریڈ نے تجویز رکھی۔

"اور ہر حصہ کی ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک کامریڈ پر ہوگی جو اس حصہ کا نگراں ہوگا۔

"بیشک ــــ کئی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیں۔

"ہم کو ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے۔ بڑی ذمہ داریاں ہیں ہماری مزدور ساتھیوں کو اس طریقہ پر منظم کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر مل مالکوں کے غنڈے ہم پر حملہ آور بھی ہوں تو جلوس میں گڑبڑ نہ پیدا ہونے پائے اور یہاں مار پیٹ سے قطعاً دور رہنا ہوگا۔ غصے اور اشتعال میں اگر کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے ساتھی اور کامریڈ اپنا اصل مقصد فوت کر بیٹھیں اور یہ بات اچھی طرح ہمیں ذہن میں رکھ لینی چاہئے کہ آج کے جلسے میں گڑبڑ پیدا کرانے کی یقینی طور پوری کوشش کی جائے گی۔

"مطالبات کی نوعیت ہمارا نعرہ ہوگا اور ہر گروپ ایک ایک مطالبے کو دہرائیگا ایک آواز اور ایک ساتھ ہو کر"۔

"بورڈوں پر ہر زبان میں مطالبات لکھوانے چاہئیں۔"

"بورڈ تیار ہو چکے ہیں۔"

"آج کے جلسہ کی ہر تقریر بڑی مفصل، مختصر اور جامع ہونی چاہئے۔"

"ہمارا ساتھی ایک ایک موضوع چن لے گا اور وہ اسی پر بولے گا۔"

اور پھر اس قسم کی اور بہت سی تجاویز کے بعد پارٹی کے سربراہ اور ذمہ دار اراکین کی یہ میٹنگ ختم ہو گئی اور جب برجموہن باہر نکلا تو ایک کامریڈ نے اسے اطلاع دی کہ تقریباً آدھ گھنٹہ سے کوئی خاتون ملاقات کے کمرے میں بیٹھی ہوئی بڑی بےچینی سے اس کا انتظار کر رہی ہیں۔

"کون خاتون ہیں وہ؟" برجموہن نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ نام نہیں بتایا انہوں نے اور نہ کسی نے پوچھا۔"

"اچھا ——"

برجموہن ملاقات کے کمرے میں آیا۔ اور اسے دیکھتے ہی ماننیا بڑی بےچینی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"پر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ملوں گا۔"

"گھر پر گئی تھی تو نوکر نے کہا تھا کہ شاید آپ یہاں ہوں گے۔"

"چائے پیجئے گا؟" برجموہن نے مہمان کے فرائض ادا کئے۔

"پی لوں گی۔"

اور پھر کچھ دیر بعد چائے آ گئی۔ تمام اجنبیت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں

چائے دیکھکر انیتا کو بڑا تعجب سا معلوم ہوا۔ اس نے دیکھا کہ سارے سانتی ہانس ہنس کر انہیں تمام چینی کے برتنوں میں چائے پی رہے ہیں اور باتیں کرتے جا رہے ہیں۔

"کیا یہاں چینی کے کپوں میں چائے پینا ممنوع ہے؟"

"ہمارے یہاں کوئی بھی اچھی اور بہتر چیز ممنوع نہیں ہے"!

برجموہن مسکرایا۔

"مگر ہماری پارٹی غریب ہے۔ مزدوروں کی انجمن ہے۔ اور آپ تو جانتی ہی ہونگی کہ مزدوروں کے پاس زندگی کے لوازمات نہیں ہوتے صرف ضرورت ہوتی ہے"

انیتا کے دل میں ایک عجیب و غریب قسم کی لہر پیدا ہوگی۔ ایک انجانی سی خوشی اور ایک نامعلوم سی خواہش وہ بڑے شوق بھرے انداز سے اس چیز کو دیکھ رہی تھی کہ اس جگہ بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ سارے کامریڈ ایکدوسرے کے ساتھ ہنس ہنس کر بڑے زیبا ئیت بھرے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ تکلف سے دور اور بناوٹ سے الگ۔ وہ ان تمام چینی کے ڈونگوں میں چائے پی رہے تھے۔ اور ان میں ہندو بھی تھے اور مسلمان سکھ بھی تھے اور عیسائی بھی ہر صوبہ اور ہر جگہ کے لوگ تھے عورتیں بھی مرد بھی اور دیسی یوروپین بھی تھے جو اسی انداز سے ڈونگے میں چائے پی رہے تھے۔

اور ان سب کی سادگی پہ انیتا کا دل ٹوٹ گیا۔ کم قیمت کے سادہ سادہ لباسوں میں مسکراتے ہوئے چہرے اسے بڑے مقدس معلوم ہوئے۔ انسانیت اور اپنائیت کو اتنی سادگی کے ساتھ ایکدوسرے سے گلے لگے ہوئے اس نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔

"یہ لوگ کیا اسی دفتر میں ملازم ہیں۔" انیتا نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

"یہاں نہ تو کوئی ملازم ہے اور نہ کوئی آقا ہے"۔ برجموہن نے انیتا کو بتایا۔

"یہاں ہر شخص اپنا کام سمجھ کر کام کرتا ہے۔ جو جس کام کو جانتا ہے وہ اس کا اپنا کام ہے۔ اس میں بہت سی ایسی لڑکیاں ہیں جو کھانا پکانا جانتی ہیں اور وہ سب کے لئے

کھانا پکاتی ہیں۔ کچھ لڑکیاں ایسی ہیں جو اپنے ساتھیوں کے پھٹے پرانے کپڑوں میں پیوند لگا دیتی ہیں۔ سوئی اور دھاگے سے کام لینا جانتی ہیں وہ۔ وہ یہ نہیں جانتیں یہ کس کا لباس ہے اور وہ یہ کام کیوں اور کس شخص کے لئے کر رہی ہیں۔ ان میں سے بہت سے ساتھی پارٹی کے اخبارات کو اڈٹ کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو پروف ریڈر ہیں کچھ لوگ کمپوزنگ کا کام جانتے ہیں۔ کچھ کتابت کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ مینجمنٹ سنبھالتے ہیں کوئی چپراسی ہے اور کوئی کلرک ہے اور کوئی چوکیدار ہے۔

"انہیں تنخواہیں کس صاحب سے ملتی ہیں؟"

"یہاں تنخواہوں کا الگ الگ حساب نہیں ہے" رجھوبن بولا "

"یہاں سب کی ایک تنخواہ ہے ہر ایک کو چالیس روپیہ ماہوار ملتے ہیں جس میں تقریباً بیس روپیہ کھانے اور ناشتہ کے کٹ جاتے ہیں"

اور ہمارے ان ساتھیوں میں بہت سے ساتھی ایسے ہیں جو اگر یہی کام باہر جا کر کریں ترانہیں معقول تنخواہ مل سکتی ہے۔ مثلاً ہمارے ایک ساتھی مسٹر گنیش راؤ جو کہ پارٹی کے پریس میں کمپوزر ہیں باہر اسی کام کے ڈیڑھ سو روپیے لیا کرتے تھے۔ اور اب بھی برٹش انڈیا پریس میں انہیں ایک سو پینسٹھ کا آفر ہے۔

"بڑی پیاری جگہ ہے یہ"

انیتا نے بیحد متاثر ہو کر مرغوب ہوتے ہوئے کہا

"نہ جانے کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی ان میں ہوتی"

"ہم ایک ہونے سے کسی کو نہیں روکتے"

رجھوبن مسکرایا۔

اچھا چائے پیجیئے۔ اب ٹھنڈی ہو رہی ہے"

اور پھر وہ قدرے رک کر بولا"

"صرف میرے لئے!" برجموہن نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں اپنے اور دوسرے ساتھیوں سے الگ ہرگز نہیں ہوں ہمارا مقصد ایک ہے نیت ایک ہے مفاد ایک ہے خیال ایک ہے اور ہماری زندگیاں بھی ایک ہیں۔ پھر کسی ایک کی انفرادیت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے مس انیتا۔"

"مگر ــــ"

"نہیں مس انیتا" برجموہن نے انیتا کی بات کاٹ دی۔

"آپ کسی ایسی بات کا مشورہ نہ دیجئے، مجھے جو میری ذات کو میرے اور دوسرے ساتھیوں کی زندگی سے علیحدہ کرتا ہو!"

"آپ کی ذات میری زندگی ــ"

انیتا اس کے آگے کچھ اور کہتے کہتے رک گئی اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو جھلک آئے۔ "میں جانتا ہوں مس انیتا کہ آپ کو میری زندگی بیحد عزیز ہے۔ مگر ــ"

"مگر کیا ــ"

"مگر میری زندگی اب اپنی زندگی نہیں رہی۔ وہ ایک ایسے مقدس انقلاب کی امانت بن کر رہ گئی ہے جو اس کی راہ میں کام آ سکتی ہے۔ میری زندگی اب عوام کیلئے ہے"

"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے کہ پتا جی صبح فون پر کسی سے کہہ رہے تھے کہ اگر آج شام کو جلوس نکلا تو پولیس فائرنگ کرے گی اسی جلوس پر"

"آپ کی اس خلوص دلی کا میں ممنون ہوں مس انیتا کہ آپ نے بڑی نیک نیتی کے ساتھ مجھے راز کی بات بتا دی!"

برجموہن نے بڑی ممنونیت کے ساتھ کہا۔

"مگر آپ فکر نہ کیجئے۔ ہمارے عزائم ایسے نہیں ہیں جو لاٹھیوں اور گولیوں کے خوف سے سرد پڑ جائیں۔ میں خود قائل ہوں اس بات کا کہ انقلاب، کبھی کمزور بازوؤں سے

"اور اگر آپ کا جی اس ڈونگے میں چائے پینے سے نہ بھرتا ہو تو آئیے باہر چل کر کسی ریسٹورنٹ میں آپ کو چائے پلا لاؤں"۔

"جی نہیں۔ بالکل یہ بات نہیں ہے۔"

انیتا جیسے چور سی بن گئی۔ اور پھر وہ فوراً ہی اس ڈونگے میں منہ لگا کر چائے پینے لگی۔۔۔ اور آج زندگی میں پہلی بار اس نے اس ہیبت کے ساتھ چائے پی تھی۔

"اندر کیا ہو رہا تھا"؟

"ایک ضروری میٹنگ تھی"۔

"کاہے کی میٹنگ تھی"۔

"وہ تھی بس ــــ"

"اوہ ــــ"

انیتا کچھ چور سی بن گئی۔

"مجھے شاید ایسا سوال نہ کرنا چاہئے تھا"۔

اس نے برجموہن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"مگر میں جاسوس ہرگز نہیں ہوں ــــ"۔

برجموہن خفیف سا مسکرایا۔

"مگر میں نے ایسا سمجھا کب آپ کو۔"

"میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ آپ آج شام جلسہ میں شریک نہ ہوں تو اچھا ہے۔۔"

"یہ کیوں آخر ــــ"؟

"ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی خطرہ ہو آپ کے لئے"۔

نہیں آیا کرتا۔ سچی اور صحیح قسم کی آزادی بھیک کے ٹھیکروں میں بانٹی نہیں کرتی۔ بلکہ اس کے لئے خون کی قربانی چاہیئے۔ اور انقلاب ہمیشہ خون کے دریاؤں کو عبور کر کے ہی آتا ہے

"اگر ایشور نہ کرے تو آپ کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔!"

"تو کیا ہوگا۔" برجموہن بڑی لاپروائی سے بولا۔"

"میری موت انقلاب کے راستوں کا روڑا نہ بن سکے گی۔ بلکہ وہ انقلاب کے راستوں کو اور بھی ہموار کر دیگی۔ اور اگر میرے خون سے انقلاب کے راستوں کا ایک تنکا بھی دور ہو سکا تو میں اسے اپنے خون کی معراج سمجھونگا۔ میں سمجھونگا کہ میرا خون امر ہو گیا اور بھارت ماتا نے اپنے ایک ناچیز بیٹے کی قربانی سیوکار کر لی۔"

برجموہن بولتا رہا اور انیتا اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی وہ جیسے اس کے دل کی گہرائیوں میں جذب ہو جانا چاہتی ہو۔۔۔ وہ بڑے تقدس مآب نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اس کی آنکھوں پر سے امارت کے پردے آہستہ آہستہ اٹھنے شروع ہو گئے تھے اس کے دل میں ایک نامعلوم قسم کا ہیجان سما رہا تھا۔ اور اس کے دماغ میں سوالات کی تھیاں الجھ رہی تھیں اور وہ دل و دماغ کے بدلتے ہوئے ان حالات پر اسی طرح حیران تھی پریشان اور ششدر رہتی جسطرح کہ ایک بچہ ایک معصوم بچہ ایک نوزائیدہ بچہ دنیا میں آنے کے بعد اتنی بڑی دنیا کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔ گھٹا ٹوپ تاریکی کے بعد ایک شدید قسم کا اجالا جیسے بوکھلا دیتا ہے۔۔۔

اس نے اپنی بھرپور کوشش کے ساتھ اپنے ان بدلتے ہوئے رجحانات کو دل و دماغ سے سمجھنے کی کوشش کی۔

ایک ایسی کوشش جو زندگی آمیز بھی ہو اور زندگی آموز بھی۔

شام کو جلوس نکلا۔ اور بڑے شاندار طریقہ پر شہر کے ہر مل مزدور نے اس میں حصہ لیا اور جلوس کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ نعروں اور مطالبات کی گونج سے گلیاں سڑکیں اور بازار گونج اٹھے جلوس کے ساتھ تقریباً پندرہ بیس ہزار کا مجمع تھا اور اتنا بڑا جلوس اس شہر کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں نکلا تھا

کمیونسٹ پارٹی کے نیتاؤں نے جلوس کو بڑے ڈھنگ سے نکالا تھا کوئی ہڑبونگ نہیں تھی غلط قسم کے نعرے نہ تھے شور نہ تھا اور ہنگامہ نہیں تھا جلوس کے آگے آگے مزدوروں کا سرخ پھریرا تھا۔ سرخ رنگ کے جھنڈے میں درانتی اور ہتھوڑے کا نشان اس بات کی وضاحت کر رہا تھا کہ ہم مزدور اور محنت کش عوام خون کے دریاؤں سے گزرنا جانتے ہیں اور مزدوروں کی اس زندہ تحریک کو ہم نے اپنے خون سے سینچا ہے اور پروان چڑھایا ہے۔ محنت ہمارا ایمان ہے اور مشقت ہمارا پیدائشی حق ہے اور ہم اپنی اس محنت اور اس مشقت کو سرمایہ داروں کے ہاتھوں سستے داموں پر بیچنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہیں۔ زمینوں کے سینوں کو چیر کر ہم دنیا کو روٹی دیتے ہیں اور زمینوں کے اندر کا چھپا ہوا خزانہ ہماری ہی محنتوں سے باہر نکالا جاتا ہے پھر ہم بھوکے کیوں رہیں ہم کیوں چیتھڑے لگائیں جبکہ کپڑا ہم بنتے ہیں اور محنت ہم کرتے ہیں۔

سارے جہاں کو اپنی محنتوں سے نوازنے والے مزدور اپنی محنتوں کو سرمایہ داروں کے ہاتھوں ان کے بازاروں میں اتنے سستے داموں پر اب نہیں بکنے دیں گے۔ کسی قیمت پر نہیں

جلوس کے ساتھ ساتھ پولیس کے دستے تھے سارجنٹ اور انسپکٹر ز گھوڑوں پر سوار

جلوس کے ساتھ داہنے اور بائیں چل رہے تھے۔

اور مزدور نعرے لگا رہے تھے۔

"ہمارے خون کے چراغوں سے سرمایہ داروں کے محلوں میں اب روشنی نہیں ہو سکتی — ہمارے معصوم بچوں کی بھوک سے پونجی داریوں کی تجوریاں اب نہ بھرنے پائیں گی — ہم اپنی شفقتوں کو ساہوکاروں کی ایڑیوں پر گردی نہیں ہونے دیں گے — پونجی پتیوں کے گالوں پر سے ہم اپنے ارمانوں کے خون کی سرخی نوچ ڈالیں گے۔

ایک گرجتی آواز سنائی دیتی۔ "انقلاب" اور "زندہ باد" کے نعروں سے فضاؤں کے سینے دہل اٹھتے۔

ہر جلوس اپنے ہاتھوں پر بڑے فخر اور بڑے ارمانوں کے ساتھ مزدوروں کا نشان اٹھائے چیخ رہا تھا۔ "لال باوٹے کی —"

اور مزدور بڑے جوش و خروش سے گلا پھاڑ کر چلاتے۔

"جے لا

"ہمارا نشان — !

اور ایک فلک شگاف نعرہ گونجتا —

"زندہ باد —"

دکانوں پر لوگ کھڑے ہوئے اس جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ اور مکانوں کی چھتوں پر، بارجوں اور چھجوں پر عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا کہ امڈ پڑ رہا تھا۔ سڑکوں کے دونوں طرف چلتے ہوئے راہگیروں کی آنکھوں میں اس جلوس کو دیکھ کر مسرتوں کے تارے جھلملانے لگے تھے۔

اور بڑی بڑی سڑکوں پر فراٹے بھرنے والی قیمتی کاریں جام ہو گئی تھیں اور ان کے اندر چھپے ہوئے چہرے ایک نامعلوم خوف سے پیلے پڑ گئے تھے۔ اور ان خوبصورت

اور چمکدار کاروں کے آگے لگے ہوئے آئینوں میں فضاؤں کا گرد و غبار دلچسپ بن گیا تھا —
ڈرائیوروں کی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے سیٹھوں کی خوفزدہ نگاہیں ٹکرا رہی تھیں اور
سیٹھوں کی ان سہمی ہوئی آنکھوں میں ڈرائیوروں کی یہ پرامید نگاہیں بھالا بن کر سما گئی تھیں۔

پولیس کے دستوں نے آگے بڑھ کر جلوس کو اس سڑک پر جانے سے روکا جس پر کہ وہ بڑھنا چاہ رہا تھا۔

سارجنٹ نے تحکمانہ کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

"کیوں۔ !" رحیم بن نے ملائمت سے سوال کیا۔

سارجنٹ خشگی سے بولا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

ایک دوسرے لیڈر نے کہا

سارجنٹ نے اپنا گھوڑا بچا کر اپنے پستول پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔۔!

پورا جلوس رک گیا تھا اور دیکھنے والی نگاہوں میں خوف کے آثار پیدا ہو گئے تھے مگر اس جلوس میں ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو اس بات سے ہراساں ہوا ہو۔ مزدوروں کی آنکھوں میں غصے کی لہریں مچلنے لگیں۔

"ہمارا جلوس اسی راستے گذرے گا۔"

"نہیں گذرے گا ۔"

"گذرے گا ۔"

"نہیں گذرے گا ۔"

"ضرور گذرے گا ۔"

"ہرگز نہیں گذر سکتا ۔"

"پھر۔"

"ہم گولی چلائیں گے۔"

"ہم مزدور گولیوں سے نہیں ڈرتے"

جلوس نے راستے سے گذرنے کی کوشش کی اور پولیس نے حکم پر گولی چلادی۔ پولیس نے اشک آور گیس نہیں چھوڑی۔ کوئی لاٹھی چارج نہیں کیا۔ کوئی ہوائی فیر نہ ہوا۔ اور ڈائرکٹ گولیاں چلنے لگیں۔ ان مزدوروں کا جلوس مشتعل ہوگیا۔

وہ پولیس کے گھیرے کو توڑ کر آگے بڑھ گیا اور پولیس کی گولیاں انہیں نہ روک سکیں گولوں کی تابیں ان کے عزائم کو سرد نہ کر سکیں اور گولیوں کی باڑھ سے وہ ذرہ بھر بھی ہراساں نہ ہوئے۔

بہت سے مزدور زخمی ہوئے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ایک سارجنٹ نے آگے بڑھ کر ایک مزدور کے ہاتھ سے جھنڈا چھیننا چاہا اور وہ مزدور اپنے جھنڈے کی عظمت کیلئے اپنی جان پر کھیل گیا۔

پولیس کی ساری کوشش اکارت چلی گئی اور جلوس بڑے اطمینان کے ساتھ اس سڑک پر سے گذر کر پریڈ گراونڈ میں پہونچ گیا۔

اور پھر وہاں پہنچکر لیڈروں کی دھواں دھار تقریریں ہوئیں اور اختیا کی گاڑی اسی عرصہ میں زخمی مزدوروں کو لے جا کر ہسپتال میں چھوڑ آئی۔ گاڑی اختیا خود ڈرائیو کر رہی تھی۔

اس کی ساری گاڑی مزدوروں کے سرخ سرخ خون سے لالہ زار بن گئی

جلسہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ہوتا رہا اور اس ڈیڑھ گھنٹہ کی مسلسل تقریروں سے مزدوروں کے سینے پھول گئے اور ان کے دلوں میں خوف وہراس کی جگہ جوش اور جدوجہد کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔ رحمن کی تقریریں زندگی کی تڑپ تھی اور مطالبوں کی للکار تھی۔ سلجھی ہوئی

صاف اور سچی باتیں تھیں۔ ایسی مدلل تھی اسکی تقریر کہ دوست تو دوست دشمن بھی مزدوروں کی اس مانگ جائز سمجھنے لگے۔ اور ان کے قلوب بھی مزدوروں کی ہمدردیوں سے بھر گئے — مل مالکوں کی لوٹ کھسوٹ سے دلوں میں بیزاری سما گئی اور حکومت کی سرمایہ داروں کی اس ناجائز طرفداری پر پورا شہر بیزار ہو گیا۔

اور آج اسی جلسہ میں پولیس کی فائرنگ کے خلاف لوگوں میں اتنا اشتعال پھیل گیا کہ انہوں نے ہر امکانی قوت سے مزدوروں کی ان مانگوں کو سہارا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور طے یہ ہوا کہ جبتک حکومت یہ وعدہ نہ کرے گی کہ آج کی فائرنگ کی تحقیقات کی جائے گی مزدور شہر کے کسی بھی کام کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔

یہاں تک کہ عام مزدوروں کے نیتاؤں نے بھی اس ہڑتال کو سپورٹ کرنیکا فیصلہ کر لیا اور یہ طے ہوا کہ آج کے اس پرامن جلوس پر ناجائز طور پر گولی چلانے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کل سارے شہر کی دکانیں مکمل طور پر بند کی جائیں گی اور کم از کم کل کے دن کے لئے شہر کی کاروباری زندگی کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا جائے گا۔

اور پھر اور بہت سی تجاویز پاس کرنے کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا

دوسرے دن شہر میں مکمل ہڑتال ہو گئی۔ دکانیں بند، بازار بند، اور یہاں تک کہ ٹریفک یونین نے بھی مزدوروں کی ہمدردی میں ہڑتال کر دی۔ اور شہر میں کسی بھی سواری کا ملنا دشوار ہو گیا۔ ٹیکسیاں، بسیں، تانگے۔ یکے اور رکشے سب بند ہو گئے۔ ٹھیلے چھکڑے بیل گاڑیاں اور یہاں تک کہ ہاتھ گاڑیاں بھی سڑک پر دکھائی نہ دیتی تھیں۔

اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں نے بھی ہڑتال کر دی ایک طالب علم بھی اس دن اسکول کالج نہیں پہنچا لوگوں کا دفتروں تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ عدالتوں اور کچہریوں کے

مقدمات گڑبڑ ہو گئے اور سرکاری دفتروں کا کام یونہی معطل پڑا رہا
حکومت کو ہوش آگیا ۔ اور آج شاید پہلی بار حکومت کے دماغوں میں
یہ خیال گذرا کہ حالات کو اور زیادہ بدتر ہونے سے کسی نہ کسی طرح روک لیا جائے کوئی
ایسی ترکیب سوچی جائے کہ شہر کی روزمرہ کی زندگیوں پر اس ہنگامہ کا اثر نہ پڑنے پائے
اور پورے شہر کو معطل ہونے سے بچا لیا جائے

فون کھڑکے کاریں سرسرائیں میٹنگیں ہوئیں اور بڑی بحث مباحثوں کے بعد فیصلے
ہوئے مزدور لیڈروں سے ملنے اور بات کرنے کی اسکیم ابھی بنی ۔"

اور پھر اسی شام حکومت کا ایک سپیشل بلیٹن چھپا کہ حکومت کو کل کی فائرنگ
کا افسوس ہے اور اس فائرنگ کی آزادانہ تحقیقات حکومت ضرور کرے گی ۔

مزدور نیتاؤں کی کئی ملاقاتیں اراکین حکومت سے ہوئیں لیبر کمشنر اور لیبر منسٹر بھی کئی بار آئے اور گئے مگر کوئی بات ان ٹھوس بنیادوں پر نہ طے ہو سکی جس سے ہڑتال کے خاتمے کے امکانات پیدا ہو سکیں۔

حکومت مزدوروں کو ان کے مطالبات دلوانا چاہتی تھی اور مزدور اس قسم کی فرضی تسلیوں پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا اور کوئی بات نہ طے پا سکی اور ہڑتال جیسی کی تیسی اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مزدور تو خیر بھوک کا عادی ہے وہ غریب تو بھوک کی تکلیف کسی نہ کسی طرح جھیل ہی لیا کرتا۔

چنانچہ ہڑتال کو ایک ہفتہ سے اوپر گذر چکا تو مل مالکوں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور وہ کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب جلد از جلد سوچ لینے پر آمادہ ہو گئے جس سے اس ہڑتال کا خاتمہ ہو جائے۔

اور وہ اپنے اپنے طور پر اس ہڑتال کو ختم کرانے کی مختلف طریقوں پر کوشش کرنے لگے۔

اور سیٹھ گنپت لال اس ضمن میں سب سے زیادہ پریشان تھے۔

سیٹھ گنپت لال بڑے غور و فکر کے عالم میں بیٹھے تھے کہ انیتا ان کے

پاس پہنچی۔۔۔

اور اس نے اپنے پتاجی کو اس طرح گم سم اور پریشان دیکھ کر پوچھا
کیا بات ہے پتاجی "آپ بہت اداس دکھائی دے رہے ہیں"۔
"ہوں! وہ انیتا کو بغور دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔
اس ہڑتال سے تو اب میں تنگ آگیا ہوں"
تو پھر — بابا
پھر کیا کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔"
سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ انیتا نے مشورہ دیا
مزدوروں کے مطالبات مان لیجئے اور بس۔۔
اور بس —" گپت لال نے انیتا کے اس مشورہ کا مذاق اڑایا۔
"پوری مل ہی کیوں نہ حوالہ کر دوں ان مزدوروں کے۔۔
اور انیتا نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔
خیال تو پتاجی آپ کا یہ بھی برا نہیں ہے۔"
کیا بکتی ہو تم۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔
تمہارے وچاروں پر بھی میں دیکھ رہا ہوں کہ برجموہن کے وچاروں کا کافی
گہرا اثر پڑ گیا ہے۔"
اچھے خیالات اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتے پتاجی۔"
نہ جانے یہ آج کل کی تعلیم کس ڈھب کی ہو گئی ہے کہ پڑھ لکھ کر لوگ کمیونسٹ
بنتے جا رہے ہیں۔"
پڑھ لکھ کر عقل آجاتی ہے نہ پتاجی اسی لیے انیتا مسکرائی۔۔
بہت بدتمیز ہو گئی ہو تم۔۔
اور پھر کچھ سوچ کر وہ بولا۔

"تم اگر کوشش کر دیتی تو یہ ہڑتال ختم ہو سکتی ہے۔"

"کس طرح پتا جی۔"

تم برجموہن پر ذاتی طور پر زور ڈالو کہ وہ ہڑتال ختم کرا دے مجھے آشا ہے کہ وہ تمہاری بات نہ ٹالے گا۔"

سیٹھ صاحب نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

میں اسے مل کا منیجر بنا دوں گا۔"

سچ پتا جی۔

انیتا یکبارگی خوش ہو کر بولی۔

"بالکل سچ! سیٹھ صاحب نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔"

میں برجموہن کو پسند کرتا ہوں اور اگر۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے

اور کیا پتا جی ... انیتا نے حد سے بڑھے ہوئے شوق سے پوچھا۔

میں اسے اپنا بیٹا بھی شاید بنا لوں۔

میں کوشش کرتی ہوں پتا جی کہ برجموہن مان جائے

انیتا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

وہ ضرور مان جائے گا۔ سیٹھ صاحب کی نظریں فرش پر گڑی ہوئی تھیں

انیتا خوشی سے سرشار بڑی تیزی کے ساتھ باہر بھاگی۔

انیتا جس وقت پارٹی آفس پہنچی تو اس وقت لنچ کا وقت ہو چکا تھا اور کھانے

کی پہلی گھنٹی بج چکی ہے۔ انیتا نے دیکھا کہ سارے پارٹی ممبر اپنے اپنے برتن لیے ساتھ لے کر کھانے کے کمرے میں جا رہے ہیں!"

یہ لوگ۔ کہاں جا رہے ہیں۔! انیتا نے پوچھا

کھانے کے لیے برجموہن نے جواب دیا

اپنے اپنے برتن اپنے ساتھ لیکر جا رہے ہیں"

"جی ہاں ۔۔" برجموہن نے بتایا۔"

اور یہ اس لیے کہ یہاں ملازم تو ہاں نہیں کہ وہ (SERVE) سرو کریں یہاں تو دست خود دہان والا مضمون ہے بلکہ کھانا کھا چکنے پر یہی لوگ اپنے اپنے برتن بھی دھو کے دھا کر رکھ دیں گے۔"

اچھا انیتا نے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ کہا۔

"نجانے کیا بات ہے برجموہن صاحب" وہ بولی۔

آپ لوگوں کی یہ زندگی میرے دل میں گھر کرتی جا رہی ہے

"وہ بڑا نیک شگون ہے یہ تو"

برجموہن مسکرایا ۔"

اور پھر اس نے انیتا سے پوچھا

آپ کھانا کھائیں گی ۔!

یہاں ۔۔"

ہاں ۔"

جی تو چاہتا ہے ۔ مگر ۔۔"

مگر کیا تکلف کس بات کا چلیے تشریف لے چلیے ۔"

اور انیتا کسمسائی کہ برجموہن بولا ۔"

"چلنا ہو تو چلیے نہیں تو تیسری گھنٹی کے بعد کھانا وانا خاک نہ ملیگا۔"

اچھا۔!

ہاں اور نہیں تو کیا۔"

اچھا تو آیئے"

انیتا اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور برجموہن اسے کھانے کے کمرے میں لے کر آیا جہاں بڑی بے تکلفی اور نہایت اپنائیت سے تمام ساتھی ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کئی ساتھیوں نے اٹھ کر ان لوگوں کے لیے جگہ دی۔"

اور وہ دونوں میز کے سامنے رکھی ہوئی بنچ پر بیٹھ گئے برجموہن اٹھ کر دو پلیٹ میں کھانا لایا۔

موٹے موٹے چاول تھے دال تھی اور ہر قسم کی ترکاری تھی اور روٹیاں تھیں گوشت نہیں تھا اور نہ کباب تھے پلاؤ بھی نہیں تھا اور نہ دہی اور نہ پاپڑ اور نہ مرغ تر پراٹھے اور نہ کوئی میٹھی چیز

کھاتے ہوئے برجموہن انیتا سے مخاطب ہوا۔

ابھی یہاں تو یہی ہے۔"

تو کیا ہوا" انیتا مسکرائی

بڑا اچھا ہے یہ تو۔"

اور وہ کھانا کھانے لگی۔ مگر سچ بات تو یہ تھی کہ اس سے یہ کھانا بالکل نہیں کھایا گیا وہ یونہی برائے نام ٹونگتی رہی۔

پسند نہیں آرہا آپ کو۔"

جی نہیں بہت مزیدار ہے۔"

اس نے جلدی جلدی چپاتی کو اپنی انگلیوں سے مانتے ہوئے کہا۔"

اور پھر جب وہ لوگ کھانا کھا چکے تو برجموہن نے اس کی پلیٹ اٹھالی

یہ کیا انیتا نے سوال کیا ۔"

آپ ہماری مہمان ہیں اور اسی لیے آپ کی پلیٹ میں دھوؤں گا"

نہیں نہیں ! پلیٹ انیتا نے برجموہن کے ہاتھ سے چھین لی
میں خود دھولوں گی ۔"

اور پھر وہ خود ہی اپنی پلیٹ لیکر نل کے نیچے دھونے چلی گئی۔ برجموہن
کے علاوہ اور کئی ساتھیوں نے اس کے اس کام کو بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھا

میری ایک درخواست ہے آپ سے ،
وہ کیا ۔؟
کیا آپ میرے ساتھ کہیں باہر چل سکتے ہیں
مثلاً کہاں ۔"
کسی جگہ بھی ۔"
مگر کیوں ۔!
مجھے آپ سے اشد ضروری باتیں کرنی ہیں
تو یہیں باتیں کر لیجئے ۔"
یہاں نہیں ۔
پھر ۔"
کسی اور جگہ "
کیا بات ہے ؟
بس ہے "

اچھا دس منٹ ٹھہر جاؤ پھر چلتا ہوں

شہر سے دور ایک نہایت ہی پرکیف باغ کے گھنے سائے ہیں جو دریا کے بالکل کنارے پر تھا۔ انیتا برجموہن کو اپنی کار پر لے آئی
اور وہ دونوں ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئے۔
بہت دور کھینچ لائیں آپ مجھے ۔۔۔
میں تو آپ کو اس سے بھی زیادہ دور کھینچ لے جانا چاہتی ہوں انیتا بڑے جذباتی انداز میں بولی۔
جہاں صرف آپ ہوں اور میں ہوں یعنی اور آپ جہاں تیسرا اور کوئی نہ ہو
برجموہن نے انیتا کی وارفتگی اس کے اس اضطراب اور بے چینی سے اپنی نظریں چراتے ہوئے بات کا موضوع دوسری طرف پھیرا۔
مجھے آج پارٹی کا بہت کام کرنا ہے۔۔
اور مجھے بھی آج آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں
اور پھر وہ برجموہن کو اپنی اس بات کے جواب کا موقع دئے بغیر بولی
اگر مزدوروں کی یہ ہڑتال ختم ہو جائے تو کتنا اچھا ہو ۔۔۔
با مقصد طور پر ختم ہو جائے تو اچھا ہے ۔۔
برجموہن نے گویا انیتا کی اس خواہش کی اصلاح کی۔
اگر مزدوروں کا مطالبہ مان لیا جائے تو ہڑتال خود بخود ختم ہو جاتی ہے
آپ کوشش کیجئے ۔۔

"کس بات کی کوشش"۔

"یہی کہ ہڑتال ختم ہو جائے۔

"وہ تو میں کیا پارٹی کے ہر لیڈر کی یہی کوشش ہے!

"تو پھر—!"

"پھر کیا—" برجموہن نے نفرت کے ساتھ کہا۔

"سرمایہ دار بھلا ایسا کب چاہتے ہیں مل مالکوں کو تو اپنا نفع پیارا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہڑتال جب طول پکڑ جائے گی تو مزدور بھوک سے بلبلا کر خود ہی ہتھیار ڈالیں گے!"

برجموہن طنزاً مسکرایا۔

"مگر ایسا کبھی نہ ہوگا۔ مزدور کی وقتی بھوک اسکے مستقبل کی تابناکیوں کا راستہ کبھی نہ روک سکے گی۔ اس لئے کہ مزدور کی بھوک سرمایہ دار کے منافع سے زیادہ سخت جان ہوتی ہے۔"

"اگر آپ ہڑتال ختم کرا دیں تو پتاجی آپ کو اپنے مل کا منیجر بنا دیں گے۔ انتیا نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ برجموہن کو انکار کا راستہ ہی نہ مل سکا۔ مگر وہ سنبھل کر بولا۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں مس انتیا—!" اس نے بڑی تحیر آمیز نظروں سے انتیا کو دیکھا

"آپ مجھے رشوت دے رہی ہیں مل کی منیجری کا لالچ دیکر۔ آپ مجھے میرے ایمان سے نیچے گرا دینا چاہتی ہیں! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

مس انتیا ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اقتدار کا لالچ میرے ارادوں کی قوت سے کبھی نہیں ٹکرا سکے گا۔ اور یہ اس لئے کہ مجھے میرے ارادوں کی قوت اور طاقت کا اندازہ بخوبی ہے۔ موقع پرستی ہمارے مذہب میں حرام ہے اور ہمارے نصب العین زر و جواہر کی چکاچوند سے کبھی متاثر نہیں ہو سکتے ہمارا آدرش بہت اونچا ہے۔ اور دنیا کی کسی بات کا لالچ ہمارے اس آدرش پر اپنی کمند نہیں پھینک سکتا۔"

"معاف کیجئے گا برجموہن صاحب میں اپنے ارمانوں کے ہجوم میں کھو کر یہ بات بھول گئی تھی۔ کہ آپ کو اس قسم کا ناپاک مشورہ دیکر میں آپ کے آدرش کی توہین کر رہی ہوں۔ مگر یقین کیجئے۔

کہ آپ کے ایمان کو ٹھکانے کا خیال میرے دل میں نہ تو پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ وہ تو میں اپنے شوق کی اس رو میں بہہ گئی تھی کہ آپ میرے بن جائیں گے۔ میں آپکو پالوں گی۔"

انتیا کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اور برجموہن انتیا کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر متاثر ہو گیا۔

"آپ مجھے پالیں گے؟ یہ کس طرح سے؟"

"پتا جی آپ کو پسند کرتے ہیں۔ وہ آپ کو اپنا بیٹا بنا لینا چاہتے ہیں۔"

"اوہ۔" برجموہن کسی گہرے خیال میں غرق ہو گیا۔ اور پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

"سرمایہ دار کا ایمان روپیہ ہے، صرف روپیہ اور وہ اپنے اس ایمان پر دنیا کی ہر چیز قربان کر سکتا ہے۔"

اور پھر وہ جیسے چونک پڑا۔

"مس انتیا! میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ آپ کا احترام کرتا ہوں۔ مگر میں آپ کیلئے اپنے نظریات کی قربانی کبھی نہیں دے سکتا۔ اشتراکیت میرا سیاسی ایمان ہے اور اس کا اصول میری زندگی کا نصب العین ہے مقصد ہیں وہ میری زندگی کے۔ اور میں ان اصولوں کی خاطر اپنی جان دے سکتا ہوں۔ مگر انہیں بیچ کبھی نہیں سکتا۔ آپ تو صرف ایک سرمایہ دار کا ذکر کرتی ہیں۔ اگر تمام دنیا کے سرمایہ دار مل کر بھی مجھے اپنا بیٹا بنا لینا چاہیں تو میں ان کی گود میں آنے سے پہلے کسی گندی نالی کے چلو بھر پانی ڈوب مروں گا۔

غربت اور افلاس کی وہ زندگی جو ملک کے کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کی کوشش میں بسر ہو، عیش و عشرت کی اس زندگی سے مجھے زیادہ عزیز ہے۔ جو ملک کے کروڑوں انسانوں کی زندگیوں سے دور، ان کے ساتھ غداری کرنے کے صلہ میں سرمایہ داروں کی بھیک سے مجھے ملی ہو۔"

برجموہن بڑے غصے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ رکا اور پھر رک کر واپس جاتے ہوئے بولا۔
"معاف کیجئےگا۔ اگر میری تلخ باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو تو تھوک دیجئےگا میری باتوں کو۔"

"نہیں ـــ!"

انبا نے برجموہن کا راستہ روک لیا۔

"بھولنا" میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ اور میں اپنی اس غلط فہمی پر آپ سے معافی چاہتی
آنسو اس کی آنکھوں سے باہر جھلک آئے۔

"آپ کے اصول دنیا کو ایک نئی زندگی عطا کرنیوالے ہیں۔ اور آپ کے ان اصولوں کے سامنے میں اپنا سر جھکاتی ہوں"!

"برا مت ماننا انبا!"

بڑے پیار سے وہ انبا کے آنسوؤں کو اپنے رومال سے جذب کرتے ہوئے بولا۔

"میں جس منزل کو چھو لینا چاہتا ہوں اس مقدس منزل کو پا لینے کے یہی اصول ہیں یہی تقاضے ہیں اس کے۔ اور میں منزل کے ان تقاضوں سے مجبور رہوں"!

"آئیے واپس چلیں"!

انبا اپنی آنسو بھری آنکھوں سے مسکرائی۔

"میں آپ کو آپ کی منزل کے اس راستہ پر چھوڑ آؤں جہاں سے اتنی دور لا کر میں آپ کو آپ کی منزل سے بھٹکا دینا چاہتی تھی"!

وہ بڑے پیار اور بڑے تقدس کے ساتھ برجموہن کو اپنی کار تک لائی۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے گم سم اور خاموش۔ کار بڑی تیزی کے ساتھ بستی منزل مقصود کی طرف بھاگ رہی تھی۔ الجھے ہوئے اور پر پیچ راستوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی دور۔ بہت دور پیچھے گرد و غبار کا طوفان اٹھ رہا تھا ـــ اور آفتاب کی حرارت ختم ہو گئی تھی۔ سرخ سرخ نرم اور نازک کرنیں سارے جہاں کو لالہ زار بنائے ہوئے تھیں۔

برجموہن پارسٹی آفس میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک ساتھی نے آکر اسے اطلاع دی کہ اس کا باپ آیا ہوا ہے اور اس کا چہرہ یکبارگی خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ فوراً اپنے کمرے سے باہر آیا ___ بنواری ملاقاتی کمرے میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"پتا جی ___!"

وہ آتے ہی اپنے باپ کے قدموں پر جھک گیا۔ اور اس کے باپ نے اسے اٹھا کر اپنے کلیجے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"جگ جگ جیو میرے لال۔"

اس نے پوری قوت سے اپنے بیٹے کو بھینچ لیا۔

"کب سے تو نہیں آیا۔ پورا قصبہ یاد کرتا ہے تجھے"

"یہاں کام بہت تھا باپو۔"

برجموہن نے جواب دیا۔

"بیٹھیے باپو۔"

اس نے اپنے باپ کو اطمینان سے بٹھایا۔

"ماتا جی کیسی ہیں؟"

"اچھی ہے بیٹا۔ تیری ماں بھی اچھی ہے اور سارا قصبہ راضی خوشی ہے۔"

اور پھر وہ اپنی واسکٹ سے ایک تار نکالتے ہوئے بولا۔

"یہ ایک تار آیا ہے تیرے نام۔"

"تار — !" برجموہن نے تار کھول کر پڑھا۔

"کیا لکھا ہے بیٹا — ؟"

"سرتیا دیوی کا تار ہے۔ وہ بیرسٹر بن گئی ہیں اور تین دن بعد ان کا جہاز بمبئی پہنچنے والا ہے۔ لکھا ہے کہ میں انہیں لینے کے لئے بمبئی تک آؤں۔"

"ضرور جانا بیٹا —" بنواری نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ دیوی ہے — تیرا دوسرا جیون اسی نے دلایا ہے تجھے ہم ان کے اپکاروں سے یوں بھی اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔"

برجموہن کیبل کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں ضرور جاؤں گا باپو — سرتیا دیوی کو لینے مجھے بمبئی تک جانا ہی پڑے گا۔"

اور پھر وہ اپنے باپ کو لیکر اپنے گھر آیا اور بہت دیر تک قصبہ کی حالت پوچھتا رہا۔ ایک ایک کے بارے میں اس نے پوچھا۔ فصل کیسی ہوئی۔ ابراہیم چاچا کیسے ہیں۔ ہلدی کاکا۔ فقیرے۔ بھاتی۔ ماتا دین سب کے بارے میں وہ پوچھتا رہا۔

اور ان سب کی خیریت معلوم کر کے اسے خوشی ہوئی۔ اور یہ بات جان کر وہ بیحد خوش ہوا کہ اب سارے قصبہ میں میل ملاپ ہے۔ ہندو مسلمان سکھ سب ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہیں۔

کوئی کسی سے نہیں لڑتا کوئی کسی کو ٹیڑھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا سب خوش ہیں سب ساتھ مل جل کر رہتے ہیں کھیتوں کھلیانوں الاؤں اور چوپالوں پر محفلیں جمتی ہیں اور سب ایک ساتھ ہنستے بولتے ہیں ٹھٹھے کھاتے ہیں اور گاتے ناچتے ہیں۔

اس کے باپ نے اسے یہ بھی بتایا کہ اب قصبہ والوں نے سائیں اور رادھے شیام کو معاف کر دیا ہے۔ اور وہ بھی اب پہلے جیسے نہیں رہے انہوں نے اپنی ساری باتوں کی توبہ کر لی ہے۔

البتہ اس نے بتایا کہ جاگیردار ان لوگوں کو پریشان کرنے اور تنگ کرنے کے نت نئے منصوبے بنایا کرتا ہے۔ بات بات پر الجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کا بیٹا پرکاش انگاروں پر لوٹتا رہتا ہے قصبہ کے ایک سے اسکی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور وہ رات دن اپنے ہونٹ کاٹتا رہتا ہے۔

اور پھر رات گئے تک دونوں باپ بیٹوں میں اس قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔

برجموہن نے کہا کہ بہت جلد قصبہ آنے والا ہے اور اس نے بتایا کہ اس کی پارٹی عنقریب گاؤں اور قصبوں میں بھی اپنا کام بڑے زور شور سے شروع کرنیوالی ہے۔ برجموہن نے اپنے باپ کو سمجھایا کہ بغیر کسانوں کے ملک میں انقلاب آ ہی نہیں سکتا۔ ان کا ملک زراعتی ملک ہے اور بغیر دیہاتوں میں کام شروع کئے ہوئے کوئی بات نہ بنے گی

دیہاتوں اس کی تحریک کا پہنچنا بہت ضروری ہے اور دیہاتوں کی زندگی کو اس آنیوالے انقلاب سے بڑا گہرا واسطہ ہے۔

ہندوستان میں انقلاب اس وقت تک آ ہی نہیں سکتا جب تک کہ شہروں کے مزدور اور گاؤں اور قصبوں کے کسان ایک نہ ہو جائیں ان سب کو مل جل کر کام کرنا پڑے گا دکھ ایک ہیں۔ اور وہ دونوں ایک ہی قسم کی بیماری کا شکار ہیں۔

شہر میں اگر مل مزدوروں کے دشمن یہ مل مالک سرمایہ دار ہیں تو گاؤں اور قصبوں میں زمیندار اور جاگیردار موجود ہیں جو غریب کاشتکار کے جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لینا چاہتے ہیں۔ شہر میں جو زہر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی جڑیں دیہات میں بھی پھیلی ہوئی ہیں ـــــ ایک جال ہے جو شہر سے لیکر گاؤں تک بچھا ہوا ہے۔ اور اس کا ایک سرا شہروں میں پونجی داتیوں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں ہے تو دوسرا سرا دیہاتوں اور قصبوں میں جاگیرداروں زمینداروں۔ ویش مکھوں اور پٹیلوں اور ان کے کارندوں کے ہاتھوں میں ہے۔

اور وہ سب ایک ساتھ مل جل کر پورے ملک کو لوٹتے ہیں۔ وہ ایک ساتھ رہنا دار

لیتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے کم نہیں ہے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں ۔

لوٹ کھسوٹ کے میدان میں وہ سب ایک دوسرے سے آگے دوڑ لگا رہے ہیں۔ ہر ایک سمجھتا ہے کہ جتنا زیادہ سے ہو سکے لوٹ لو کسی کو پنپنے نہ دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ اور جہاں تک ہو سکے غریبوں، مزدوروں اور کاشتکاروں کو چوس ڈالو ان کی زندگیوں کی جڑیں تک کھوکھلی کر دو ۔

برجموہن نے کہا ۔

"غم نہ کرو بابو ـــ ظلم کی یہ چکی اب اور زیادہ دنوں تک نہ چل سکے گی ۔ وقت اس کا بھی آ پہنچا ہے ۔ خاتمہ قریب ہے اب وہ دن دور نہیں جب کھیت کسانوں کے ہوں گے اور فصل بھی انہیں کی ہو گی ۔ جو محنت کرے گا۔ جوتے گا بوئے گا اور حفاظت کرے گا۔ وہی فصل کاٹیگا یہ نہ ہوگا کہ محنت کسی کی ہو اور قبضہ کوئی اور کرے

مل مزدوروں کے ہوں گے اور محنتیں بھی انہیں کی ہوں گی۔ جو کارخانے چلائے گا وہی پھل پائے گا یہ نہ ہوگا کہ ان داتا خود بھوکا مرے اور کپڑا بننے والوں کے جسم ننگے رہیں ۔"

برجموہن بڑے جوش میں بولا ۔

"بابو آج تین چوتھائی دنیا جس رنگ میں رنگ گئی ہے ۔ اسی رنگ میں باقی دنیا کو بھی رنگنا ہوگا چاہے زمین آسمان ایک ہو جائیں چاند اور سورج ٹکرا جائیں مگر یہ باقی دنیا بھی اسی رنگ میں رنگ کر رہے گی دنیا کی کوئی طاقت اس رنگ کو پھیلنے سے روک نہیں سکتی ۔ اس لئے کہ یہ نظام قدرت ہے ۔ یہ قدرت کا انصاف ہے اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے ۔

جب دنیا میں مظالم کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں تو انہیں مظالم کی حدوں سے ایک نیا آفتاب نئی قوت خود بخود آپ ہی آپ جنم لیتی ہے اور مظالم فنا ہو جاتے ہیں۔ تاریکی ڈوب جاتی ظلموں کی داستانیں، داستان پارینہ بن جاتی ہیں اور اخوت، محبت، پیار اور شانتی

کی بھرپور چمک سے ساری دنیا جگمگانے لگتی ہے۔

دنیا کو ایک ایسی روشنی عطا ہوتی ہے جو سب کے لئے ہو۔ اور وہ روشنی محلوں کٹیاؤں، جھونپڑیوں اور تنگ و تاریک گلیوں میں سب جگہ اور سب طرف پھیل جاتی ہے کسی جگہ اندھیرا نہیں ہوتا، اور کوئی فرد ایسا نہیں ملتا جو روشنی کی قلت کا گلہ کرے۔"

برجموہن نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا۔

"ایسی دنیا کس کام کی بابو جہاں ایک طرف تو دن کی روشنی میں بھی اندھیرا ہو۔ اور جہاں دوسری طرف رات کی تاریکی میں بھی اجالوں کا راج ہو۔

یہ بہت بڑا ظلم ہے بابو بہت بڑا انیائے ہے۔ یہ جہاں روشنیوں کو بھی قید کر لیا جائے۔ جس میں سورج کی روشنی بھی ہاتھوں کو نہ مل سکے۔ اس ملک کی اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے بھلا۔ ہوا، پانی اور سورج عام ہیں اس پر کسی کا قبضہ نہیں ہے۔ مگر ہمارے ملک کا ایک طبقہ ان عام اور قدرتی چیزوں سے بھی محروم ہے۔

اور یہ محرومی کسی کی قسمت نہیں ہے، بلکہ فریب ہے۔ دھوکہ ہے اور ان محروم رکھنے والوں کی ایک چال ہے جو آج صدیوں سے ہمیں ان قدرتی چیزوں سے بھی یہ کہہ کہہ کر محروم کئے ہوئے ہیں کہ یہ ہماری قسمت ہے، ہماری تقدیر ہے، ہمارا مقدر ہے۔ ہمارے بھاگ ہیں یہ جو ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔

قسمت کوئی چیز نہیں ہے۔ تقدیر کسی چڑیا کا نام نہیں ہے اور بھاگ خود ہم بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ سرمایہ داروں نے قسمت کا نام اسی لئے رکھ چھوڑا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیں ہماری قسمت کا نام لے لے کر خاموش کر دیا کریں۔ ہمیں اسی نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ جو بھاگ میں لکھا ہوتا ہے وہی سامنے آتا ہے۔ حالانکہ یہ سب بکواس ہے۔ بھاگ کوئی چیز نہیں۔ انسان اپنی قسمت آپ بناتا اور آپ بگاڑتا ہے۔"

اور برجموہن سے اتنی بہت سی باتیں سن کر بنواری بولا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو بیٹے۔ ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔ یہ بھاگ والی بات پجاریوں نے اسی لیے گھڑ لی ہے تاکہ کوئی دکھی ان کے خلاف چرچا نہ کر سکے۔ آواز نہ اٹھا سکے۔ نہیں تو ان کی شامت آجائے گی اور آج پرکھوں سے ہم یہی سنتے چلے آرہے ہیں کہ بھاگ ایشور بناتا ہے اور وہی بگاڑتا ہے۔"

بنواری کا دل خوشی میں ڈوبا جا رہا تھا۔ اس کا سینہ فخر سے پھول گیا تھا۔ اپنے بیٹے کی اس عقل اور سمجھ پر وہ جامے میں پھولا نہیں سما رہا تھا۔

"بس تجھ جیسے بیٹے پر جتنا بھی فخر کروں وہ کم ہے میرے لال"

بنواری نے اپنے بیٹے کو کلیجے سے لگا لیا خوشی اور مسرت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور وہ کانپتی ہوئی آواز سے بولا۔"

"ایشور تجھے جیتا رکھے میرے لال دیش کو تجھ جیسے بیٹوں کی بہت ضرورت ہے۔"

جہاز الکزینڈرا ڈاک JALAVIRA (جلا ویرا) بمبئی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ جہاز الکزینڈرا ڈاک میں آیا جہاں برجموہن پہلے ہی سے موجود تھا اور اس کے ساتھ انیتا بھی تھی وہ اپنے باپ سے اجازت لیکر برجموہن کے ساتھ آئی تھی نہ جانے کیوں اسے اسباب کی بڑی خواہش تھی کہ وہ سرتیا کو سب سے پہلے دیکھے اس سرتیا کو جو برجموہن کی بچپن کی دوست ہے اور جو اتنے عرصہ کے بعد انگلستان سے بیرسٹری کی ڈگری لیکر ہندوستان واپس آ رہی ہے۔

سرتیا نے اپنے آنے کی اطلاع اپنے باپ کو بھی دی تھی اور وہ پرکاش کو ساتھ لیکر آیا بھی تھا مگر ان کے پہنچنے میں دیر ہوگئی اور انہیں یہی پتہ لگا تھا کہ جہاز وکٹوریہ ڈاک میں لنگر انداز ہوگا۔ اور وہ جہاز کا انتظار وکٹوریہ ڈاک پر کر رہے تھے حالانکہ جہاز الکزینڈرا ڈاک آیا۔ سرتیا بڑے جوش و مسرت کے ساتھ جہاز کی سیڑھیوں پر سے اتر رہی تھی اور برجموہن بڑی مسرت سے اس کے استقبال کو آگے بڑھا۔

برجے۔!

وہ دوڑ کر تقریباً برجموہن سے لپٹ گئی۔

کیسے ہو تم برجے۔!

اور تم کیسی رہیں سرتیا۔!

قلی اس کا سامان کیبن سے باہر لا رہے تھے اور وہ بڑی بے چینی سے کھڑی برجموہن سے باتیں کر رہی تھی کہ یکبارگی اس کی نظر انیتا پر پڑی جو برجموہن کے برابر ہی کھڑی تھی اور اسے بڑی غور و فکر اور حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کون ہیں —؟"

اس نے یکبارگی برجموہن سے سوال کیا۔ اور نہ جانے کیوں سرتیا کی اس پوچھ گچھ سے وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ گھبرا کر بولا۔

"اوہ —! میں تعارف کرانا تو بھول ہی گیا۔"

وہ انتبا سے مخاطب ہوا۔

"انتباہ دیوی! آپ سرتیا دیوی ہیں اور —؟"

اس کی بات ادھوری رہ گئی اور سرتیا نے بڑے غور سے انتبا کو دیکھتے ہوئے تھاہ رہے بجھے ہوئے انداز میں کھوئے ہوئے طریقہ پر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا

"اور آپ —! دھرم پتنی ہیں نہ تمہاری برجموہن!"

اور پھر وہ افسردگی سے بولی۔

تم نے اپنی شادی کی اطلاع بھی نہ دی مجھے —"

"دھرم پتنی — برجموہن مسکرایا

"آپ میری دھرم پتنی نہیں بہت بڑے سیٹھ گنپت لال کی بیٹی ہیں مس انتبا دیوی —"

"اوہ — ! سرتیا کی جان میں جان آئی —"

بھول کی معافی چاہتی ہوں آپس سے بہن —"

وہ انتبا سے اپنی اس بھول کی معافی چاہ رہی تھی — اُدھر انتبا سوچ رہی تھی کہ کاش اس کی یہ بھول حقیقت ہوتی اور اس کا یہ خیال صحیح ثابت ہو جاتا وہ بڑے شک شبہ اور شبہ کی نظروں سے سرتیا کو دیکھ رہی تھی —

"پتاجی نہیں آئے —؟"

سرتیا نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے برجموہن سے سوال کیا

تم نے دیکھا نہیں برجے —؟"

نہیں تو — برجموہن نے سوال کیا —"
کیا تم نے اطلاع دی تھی انہیں ؟"
اور ابھی اس کے سوال کا جواب بھی اسے نہ ملا تھا کہ اس نے دیکھا کہ پرکاش اور جاگیردار دونوں تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں —
لو وہ آ گئے وہ لوگ "
ارے —!"
سرتیا لجا گئی — اور وہ تینوں ایک ساتھ گڈ مڈ ہو گئے اور بہت دیر تک اسی طرح گڈ مڈ رہے —
ہم صبح سے وکٹوریہ ڈاک پر انتظار کر رہے ہیں "
پرکاش بولا —
وہ تو ابھی اطلاع ملی کہ جہاز وہاں الگزینڈرا ڈاک پر کھڑا ہے —"
یہ برجموہن کیسے آ گیا یہاں —"
جاگیردار اور پرکاش نے ایک ساتھ سوال کیا —
میں نے اطلاع دی تھی — اور بابا بھی تھا —"
جاگیردار چپ ہو رہا اور پرکاش جل بھن کر کوئلہ ہو گیا
نمستے —!
برجموہن نے جاگیردار کو سلام کیا —
نمستے —! اس نے بے رخی سے جواب دیا —
اور پرکاش نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا کہ مبادا کہیں اسے بھی برجموہن سے دعا و سلام نہ کرنی پڑ جائے —"
اچھا بھئی اب چلو —"

جاگیر دار بولا ۔

آئیے برجموہن صاحب ۔۔"

سرتیا نے برجموہن صاحب کو مخاطب کیا اور پرکاش کے تن بدن میں آگ لگ گئی

"اور آپ کون ہیں ۔۔؟

پرکاش نے سرتیا سے انیتا کے بارے میں پوچھا ۔

آپ انیتا دیوی ہیں مشہور کروڑپتی لالہ گنپت لال کی صاحبزادی

سرتیا نے انیتا کا اپنے بھائی سے تعارف کرایا ۔

اور آپ برجموہن کی دوست ہیں ۔۔"

اور یہ سن کر پرکاش کا منہ جو کہ خوشی و مسرت سے کھلتا جا رہا تھا لٹک گیا اور پھر وہ سب کے سب ڈاک سے باہر آگئے ۔ ایک ٹیکسی پر برجموہن اور انیتا تھی دوسری پر پرکاش جاگیر دار اور سرتیا ۔

اور وہ سب کے سب تاج محل ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں پرکاش اور جاگیر دار پہلے ہی سے ایک سوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔۔

شام کو سی پی ۔ آئی میں انیتا نے جہاں کہ وہ اور برجموہن ٹھہرے ہوئے تھے سرتیا کو ایک شاندار پارٹی دی ساتھ میں جاگیر دار بھی تھا اور پرکاش بھی ، اور انیتا نے اپنے دو ایک دوستوں کو اور بھی بلا لیا تھا ۔

پرکاش دل ہی دل میں برجموہن کی قسمت پر رشک کر رہا تھا وہ سوچ رہا تھا ۔ کتنا خوش نصیب ہے یہ شخص برجموہن بھی کہ جس لڑکی کو دیکھو اس پر قربان ہوئی جا رہی ہے دراصل وہ پہلی ہی نظر میں انیتا پر نثار ہو گیا تھا ۔ اور اس پارٹی میں اس نے

انیتا کے قریب پہنچنے کی انتہائی کوشش کی۔
کیا کبھی آپ میری جاگیر دار میں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں گی۔"
اس نے انیتا کو مخاطب کیا
جی ضرور آؤں گی کبھی۔" وہ سادگی سے بولی۔
نہیں ضرور آیئے۔" اس نے زور دیا مجھے خوشی ہو گی۔"
کوشش کروں گی۔"
اس میں کوشش کا کیا سوال۔ کاشی نے زور دیا۔
جب آپ برجموہن کے ساتھ اتنی دور بمبئی آسکتی ہیں تو پھر۔
انیتا نے بات کاٹی۔
اس میں دور اور نزدیک کا کیا سوال بمبئی میرے لیے نیا شہر نہیں ہے میں یہاں
برسوں رہ چکی ہوں۔ برجموہن صاحب سرتیا بہن کو RECEIVE کرنے آ رہے تھے
میں بھی چلی آئی۔ یہ تو بڑا اچھا کیا آپ نے۔"
وہ کیا اچھا کیا۔! انیتا یہ کاشی کی بات سے الجھ کر بولی۔ اس میں۔"
پر کاشی نے انیتا کی بات کاٹ دی۔
آپ سے ملاقات ہو گئی۔"
آپ کب واپس جائیں گی۔ سرتیا نے یونہی بات کا موضوع بدلا وہ بھانپ
گئی تھی کہ انیتا اس کے بھائی کی ان بے تکلفیوں سے بیزار ہو رہی ہے۔
جب آپ کہیں۔" اس نے جواب دیا۔
میں تو یوں سمجھے کہ آپ کو کرنے آ گئی تھی۔"
تو پھر کل چلیئے۔"
مگر کل رات کی ٹرین سے۔"

برجیو ہنس بولا۔

اس لیے کہ کل ڈھائی بجے مجھے ایک ضروری میٹنگ اٹنڈ کرنی ہے۔"

میٹنگ ! سریتا نے حیرت سے سوال کیا۔

کیسی میٹنگ ۔"

پارٹی کی ایک میٹنگ ہے۔

کون سی پارٹی ۔!

کمیونسٹ پارٹی انیتا نے بتایا۔

ارے ! سریتا حیران رہ گئی۔

یہ تم پارٹی ممبر کب سے بن گئے برجے ۔"

" پارٹی ممبر ۔" انیتا نے شوخی کے ساتھ کہا۔

پارٹی لیڈر کہئے صاحب پارٹی لیڈر اب تو آپ بڑی بڑی اسٹرائیکیں چلا رہے ہیں

آج کل "

" اوہ ۔! ویری گڈ ۔"

سریتا خوش ہو کر بولی۔

یہ ملی ایک اچھی خبر۔"

جاگیردار منہ بنائے بیٹھا رہا۔ اور بہ کاوش بیزاری سے ہیولین کی طرف

دیکھنے لگا۔

بھئی برجے ! سریتا نے خواہش ظاہر کی۔

میں تمہاری پارٹی کا کام مفت کر دیا کروں گی بولو میری یہ پیش کش منظور ہے

یا نہیں ۔"

شکریہ سریتا دیوی ۔"

برجستہ ہی مسکرایا۔

آپ کی ذات سے مجھے اس خلوص کی توقع تھی۔"

اوم پرکاش ان باتوں سے قطعاً بیزار ہو گیا اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور جاگیر دار نہ جانے کیوں زور زور سے کھانسنے لگا۔ جیسے کہ کوئی سخت چیز اس کے گلے میں پھنس گئی ہو۔

اور پھر چائے کے بعد جاگیر دار نے تاج واپس جانے کی خواہش ظاہر کی اور ان چاروں نے METRO میں پکچر دیکھنے کا پروگرام بنا لیا۔"

برجموہن آج کل پارٹی کی طرف سے دیہاتوں کا دورہ کر رہا تھا کسانوں میں تنظیم کی بڑی محنت ضرورت تھی اور وقت کی اس سب سے بڑی ضرورت کو پارٹی نے پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا شہروں کے علاوہ دیہاتوں اور قصبوں میں پارٹی کے جلسے ہو رہے تھے جلوس نکالے جا رہے تھے اور جگہ جگہ کمیٹیاں بن رہی تھیں۔

دیش بھکتوں، جاگیرداروں، پٹیلوں اور زمینداروں میں پارٹی کے اس آرگنائزیشن سے بڑی کھلبلی مچی ہوئی تھی اور وہ سب کے سب ایک ہو کر پارٹی کے کاموں میں روڑے اٹکا رہے تھے کوششیں دونوں طرف سے جاری تھیں ایک کی کوشش تعمیر کی تھی تو دوسرے کی تخریب کی ایک پارٹی صدیوں کے ستائے ہوئے اور کچلے ہوئے کسانوں کو انکا حق دلانا چاہتی تھی تو دوسری پارٹی حق طلب غریبوں کے راستوں میں کانٹے بو رہی تھی۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کے زرخرید غنڈے پارٹی ورکرز کو طرح طرح سے ستا رہے تھے۔ ان سے مارپیٹ کر رہے تھے اور ان جلسوں میں ہنگامے کھڑے کر رہے تھے۔ ایک کو عوام کی قوت پر بھروسہ تھا تو دوسرے کو حکومت کے سہارے کا گھمنڈ تھا۔ اور نظریات کی یہ کشمکش اس طرح مہینوں سے جاری تھی۔

مذہب کا سہارا لے کر زرخرید اور نام نہاد قسم کے مولوی، مولانا اور پنڈت عوام میں یہ پرچار کرتے پھر رہے تھے کہ لال باوٹے والے بے دین اور ہٹ دھرم ہیں نہ تو ان کا کوئی مذہب ہے اور نہ دھرم یہ نہ تو خدا کو مانتے ہیں اور نہ رسول کو نہ ایشور کو سمجھتے ہیں اور داتاؤں کو یہ سب بے دین ہیں لامذہب ہیں، اور وہ اپنے رنگ میں

ہمیں بھی سنگ لینا چاہتے ہیں۔

اور یہ پروپیگنڈہ وہ مولوی کر رہے تھے جنہیں صحیح معنوں مذہب سے دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا۔ جو مذہب کے نام پر سودے بازی کے قائل تھے اور جو دین و ایمان کے پردوں میں بے ایمانیوں اور رشوتوں کو بڑھاوا دے رہے تھے اور یہی حال پنڈتوں اور بڑے بڑے تلک دھاریوں کا بھی تھا جو جاگیرداروں اور زمینداروں کے تنخواہ دار ملازم تھے۔ اور ان سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ اینٹھ کر سیدھے سادھے بھولے بھالے کسانوں میں کتھا اور بیاکھیان کے نام پر پارٹی ورکروں کی طرف سے منافرت اور عام بیزاری پھیلا رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب وعظ کے درمیان گلا پھاڑ کر چلّاتے تھے۔

"بھائی مسلمانو۔ یہ لال جھنڈے والے سب کے سب ملحد اور بے دین ہیں یہ کبھی مذہب کو نہیں مانتے۔ دور رہو ان ناپاکوں سے اور گریز کرو ان بدبختوں کے سایوں سے ورنہ کل قیامت کے دن تم اپنے رسول کو منہ نہ دکھا سکو گے اور خدا تمہیں کبھی معاف نہ کرے گا۔"

ایک پنڈت مہاشے دھاڑنے۔

بچو بچو ان لال جھنڈے والوں سے دور رہو یہ تمہارا دھرم نشٹ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بھگوان کو نہیں مانتے یہ گؤ ماتا کا مذاق اڑاتے ہیں یہ دھرم کی کھلی اڑاتے ہیں اور یہ اوتاروں پر ہنستے ہیں۔

کہیں جگہ کوئی اپ ٹو ڈیٹ قسم کا ایجنٹ لوگوں کو کہتا۔

دوستو! یہ کمیونسٹ سب روس کے ایجنٹ ہیں۔ اور یہ کسانوں اور مزدوروں کو ورغلانے کے لئے ٹریڈ یونین کانگریس کا دم چھلا لگا کر ہمیں بدیشیوں کا غلام بنا دینا چاہتے ہیں۔ یہ اسی ملک کے دشمن ہیں یہاں پیدا ہوئے پلے اور بڑھے۔ اور جہاں کی غذا کھا کر یہ زندہ ہیں یہ تمہیں تمہارے ان داتاؤں سے ٹکرا کر تمہیں در در کی بھیک

منگوانا چاہتے ہیں۔"

اور مذہب کے نام پر مذہب کے ان نہاد شیدائیوں سے عوام میں غلط فہمی پیدا کرانے کے بعد زمیندار یہ سمجھتا کہ اس نے اپنا بچاؤ کر لیا ہے اور جاگیردار یہ سوچتا کہ ایسی گڑبڑ پیدا کر کے اس نے اپنی جاگیروں کی لوٹ کھسوٹ کر اپنی موت مرنے سے بچا لیا ہے

خزانوں کے منہ عوام اور قوم کے ان ازلی غداروں کے لیے کھل گئے تھے ہر قوم میں جے چند تھے میر جعفر اور میر صادق تھے اور وہ دھڑا دھڑ اپنے آپ رہے تھے اپنے اپنے ضمیروں کو بیچ رہے تھے اور وقتی عیش و عشرت کے جھولوں میں جھول رہے تھے۔ یہ لوگ اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہوئے تھے اور انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ جنت میں جاتا ہے یا دوزخ میں انہیں تو صرف اپنے حلوے اور مانڈے سے کام تھا۔ اور بس۔

برجموہن اپنے ہی قصبہ میں ایک عام جلسہ میں کھڑا ہوا تقریر کر رہا تھا۔ دیپرکاش اپنے گھوڑے کو گداتا ہوا آیا اور جلسے کے آخری سرے پر گھوڑا روک کر تقریر سننے لگا

برجموہن اور اس کے ساتھیوں نے چونکی نگاہوں سے اسے دیکھا اور برجموہن تقریر کر ہی رہا تھا کہ پرکاش کے اشارے پر اس کے ایک گرگے نے بیچ جلسے میں کھڑے ہو کر برجموہن سے سوال کیا۔

مذہب کے بارے میں تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔؟"

اور اس سوال پر برجموہن مسکرایا۔

میں اس کا جواب ابھی دوں گا۔"

نہیں — ! ابھی جواب دو —"

برجموہن نے بڑی ملامت سے اس کی طرف دیکھکر جلسے کو مخاطب کیا —"

مذہب اپنی ذاتی پسند ہے اور یہ حق کسی کو نہیں ہے کہ وہ کسی کی ذاتی پسند میں دخل دے ایک شخص کبھی اس لیئے قابل ملامت نہیں ہے کہ وہ فلاں مذہب پر کیوں چلتا ہے اور فلاں مذہب کو کیوں نہیں مانتا مذہب کی آزادی دوسری چیز ہے اور مذہب کے نام عوام میں فرقہ وفساد پیدا کرنا دوسری چیز —

پہلی بات پر کوئی باز پرس نہیں ہے اور دوسری بات کہ مذہب کے نام پر فساد پیدا کر دیا جائے نہ صرف یہ کہ قابل ملامت فعل ہے بلکہ ایسی حرکت کرنے والا سخت سزا کا مستحق ہے اور اس کی مثال بالکل اسی قسم کی ہے کہ جیسے کسی کو دال پسند ہے اور کسی کو ترکاری کوئی روٹی پسند کرتا ہے اور کوئی چاول ہر ایک کی پسند اپنی پسند ہے اور کسی سے اس لیئے نفرت کرنا کہ اس کی پسند کو کوئی دوسرا پسند کیوں نہیں کرتا سخت قابل اعتراض چیز ہے۔

دنیا کا ہر دھرم ہر مذہب قابل احترام ہے اور ان تمام مذاہب اور دھرموں سے الگ ایک دھرم اور ہے اور وہ ہے انسانیت نمستا

اور ہماری تعلیم صرف یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے ساتھ ہی ساتھ یہ دوسرا مذہب جو ہے یعنی مذہب انسانیت اور منشا کا دھرم یہ بھی اشد ضروری ہے۔

اور ہم اسے انسان نہیں بلکہ جانور سمجھتے ہیں جو اس مذہب پر نہیں چلتا انسانیت سے سب کو پیار ہونا چاہیئے انسان انسان سب برابر ہیں خواہ ان کے مذہب ایک نہ ہوں مذہب کی تفریق انسانیت کی تفریق کبھی نہیں بن سکتی۔

اور سوال کرنے والے کے اس سوال کا جواب عام مجمع کو مخاطب کر کے دے چکنے کے بعد برجموہن نے کہا —"

اس قسم کے سوالات کرنے والے ہیں اپنے اصل مقصد سے دراصل بھٹکانا چاہتے ہیں اور یہی ان کا دراصل مقصد ہے مگر انہیں شائد نہیں معلوم کہ ان کے اس قسم کے اکثر اعتنات اب بہت پرانے ہو چکے ہیں اور ان کے لغو قسم کے سوالات کے جوابات انہیں بار ہا مل چکے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اب وہ نئے قسم کے سوالات کی فہرست ترتیب دیں تو زیادہ اچھا ہے۔"

پر کاش بھناتا اور منہ بگاڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اور آج کے اس جلسہ کے بعد کاشتکاروں نے جو کچھ سیکھا اور جو باتیں حاصل کیں وہ ان کی زندگیوں کے لیے بہت ضروری تھیں۔"

اور جب وہ وہاں سے اٹھے تو ان کے دل مطمئن تھے ان کے حوصلے بلند تھے اور ان کے ارادوں میں فولاد کی سی سختی آگئی تھی اور انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے ڈھنگ سیکھ لیے تھے۔ ایسے ڈھنگ جسے سامنے رکھکر وہ اپنی منزل سے ہمکنار ہو سکیں۔

اور اب یہ ان کی منزل کچھ بہت زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

⁂

کھیت مزدوروں اور کسانوں کے ایک بہت بڑے مشترکہ جلسے میں ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور یہ ہنگامہ کھڑا کرنے والے رجعت پسند زمینداروں اور جاگیرداروں کے غنڈے تھے۔ جلسے کے اندر کثیر تعداد میں یہ ننگ بنیاد غنڈے پہلے ہی سے موجود تھے اور اس وقت جب کہ برجموہن ہزاروں انسانوں کے درمیان میں کھڑا ہوا بڑی پرجوش تقریر کر رہا تھا اور کسانوں کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ وہ زمینداروں کی اس ادھار منڈ بے دخلیوں کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جائیں ایک بدمعاش نے جو کہ اس کے قریب ہی بیٹھا تھا اس پر چاقو سے حملہ کر دیا اور قبل اس کے کہ اس کے اس اچانک اور بزدلانہ حملہ سے برجموہن کی زندگی کو کوئی نقصان پہنچے کئی آدمیوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کی اسی جگہ مرمت شروع کر دی۔

اور پھر غنڈوں نے آزادانہ طور پر چاقو زنی اور لٹھ بازی کے مظاہرے شروع کر دیے اور وہ جلسہ جو کہ انتہائی سکون کے ساتھ ہو رہا تھا ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔ بہتوں کے سر کھل گئے بہتوں کے چوٹیں آئیں اور کئی ایک ایسے بھی تھے جو تقریباً ادھ مرے ہو گئے پولیس آگئی۔ اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں غنڈا تو ایک بھی نہ پکڑا گیا اور بے گناہوں کی مشکیں بندھ گئیں بہت سے کسان جو قطعی بے قصور تھے حراست میں لے لیے گئے۔۔

اور یہ جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

رات کے سوا تین بجے تھے اور برجموہن پارٹی کا کام ختم کر کے ابھی کوئی دو بجے کے قریب سویا تھا کہ اچانک اس کے گھر پر کسی نے دستک دی اور پھر زور زور سے دروازہ پیٹا جانے لگا۔ گھبرا کر اس کا نوکر اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور اس نے آکر کنڈی کھول دی۔

اور کنڈی کا کھلنا تھا کہ بغیر کچھ کہے سنے تقریباً ایک درجن باوردی پولیس کے سپاہی اور دو سارجنٹ جو کہ مسلح تھے اس کے گھر میں گھس گئے۔ بیچارہ ملازم ہکا بکا حیران و پریشان کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

اور پھر وہ ان سب کے پیچھے بھاگا۔

کیا بات ہے کیا چاہتے ہو تم لوگ "

برجموہن کہاں ہیں تمہارے صاحب

وہ سو رہے ہیں۔"

اور وہ لوگ اندر کمرہ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ملازم نے التجا کی۔

انہیں نہ جگایئے گا صاحب۔"

وہ ایک سارجنٹ سے کہہ رہا تھا۔

وہ ابھی ابھی سوئے ہیں مشکل سے ایک گھنٹہ ہوا ہوگا وہ اب تک کام کر رہے تھے بیچارے "

اور ہم اب تک کہاں سوئے ہیں ان کی وجہ سے "

سارجنٹ نے غریب ملازم کو ایک زور کا دھکا دیا۔

" دور ہٹ۔"

کیا بات ہے "

برجموہن اپنی آنکھیں ملتا ہوا باہر آگیا۔ ایک سارجنٹ نے اس کے منہ پر ٹارچ کی روشنی پھینکی

یہی ہے۔"

سارجنٹ اس انداز میں چیخا جیسے کہ اس کا شکار کبھی بھی اڑ جائے گا اگر اسے پکڑ لینے میں ذرہ بھر بھی دیر ہو گئی تو۔

ملازم نے سویچ آف کر دیا۔

اوہ۔! آپ !! برجموہن طنزاً مسکرایا۔

بڑی خدمت کی آپ لوگوں نے "

اور سارجنٹ کی آنکھ کا اشارہ پاتے ہی کئی سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے خوب اچھی طرح سے جکڑ لیا۔ جیسے کہ وہ بیچارہ انسان نہیں بلکہ کوئی دیو ہے جو اتنے بہت سے آدمیوں کو مار پیٹ کر نکل جائے گا۔"

وارنٹ کہاں ہے۔؟ برجموہن نے سوال کیا۔

وہ پولیس اسٹیشن پر مل جائے گا۔"

ایک سارجنٹ نے لاپرواہی سے جواب دیا اور دوسرے سپاہیوں کو حکم سنایا

"تم ملزم کو باہر لے چلو ہم گھر کی تلاشی لے کر ابھی آتے ہیں۔"

اور کشاں کشاں کئی سپاہی اسے کھینچکر باہر لائے اندر تلاشی ہوتی رہی۔ اور پھر تقریباً ایک گھنٹہ کی تلاشی کے بعد۔ کچھ پھٹے پرانے کاغذ کتابیں ناولیں اور ایک ڈائری لیکر وہ لوگ باہر نکلے۔

کتابوں میں کچھ کمیونسٹ لٹریچر تھا مہاتما گاندھی کی ایک کتاب تھی جواہر لال کی "میری کہانی" کی جلدیں تھیں اور مولانا ابوالکلام آزاد کی غبار خاطر تھی۔ ٹیگور۔

اقبال جوش اور نذر اسلام کے مجموعے تھے۔

ایک سارجنٹ نے میری کہانی کی ایک جلد الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا

"بڑا خطرناک قسم کا مجرم ہے یہ۔"

اس نے پرجیوبن کی طرف بغور دیکھا اور زور سے چلایا۔

"لے چلو اسے"

اور کشاں کشاں وہ لوگ اسے کھینچ کر لے گئے

دوسرے دن صبح پرجیوبن کی گرفتاری کی خبریں اخبارات کے "لیٹ نیوز" میں شائع ہوئیں اور سریتا یہ خبر پڑھ کر بے چین ہو گئی۔

سریتا پریکٹس شروع کر چکی تھیں اور اس کا کام بڑی عزت اور بڑی شان کے ساتھ چل نکلا تھا۔ وہ ٹریڈ یونین کانگریس اور کمیونسٹ پارٹی کے ہر مقدمہ میں پیش پیش رہتی اور یہی وجہ تھی کہ وہ بہت جلد لوگوں کی نظروں میں آ گئی لوگ اسے پارٹی ممبر سمجھنے لگے حالانکہ وہ پارٹی ممبر نہیں تھی۔

وہ کسانوں اور مزدوروں کا ہر مقدمہ مفت لیتی حالانکہ اور دوسرے مقدمات کے سلسلہ میں اس کی فیس فی پیشی ایک ہزار روپیہ تھی۔ کسانوں کے پچھلے جلسے پر غنڈوں نے جو ہنگامہ کھڑا کیا تھا اس کی پیروی بھی کسان سبھا کی طرف سے وہی کر رہی تھی۔

انیتا کے ہاتھ سے اخبار چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔

وہ پارٹی آفس میں کھلبلی مچ گئی۔ پرکاش بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا

"پتاجی ـــ؟ انیتا نے گھبرا کر کہا۔

"برجموہن کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔

گنپت لال رنڈیری مسکرایا۔

"تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے۔"

"اچنبھے کی نہیں دکھ کی بات ہے یہ۔ انیتا اخبار ایک طرف پھینکتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"سراسر ظلم ہے یہ"

"ہماری سرکار ظالم نہیں۔ انصاف پسند ہے۔

گنپت لال رنڈیری نے بڑے اطمینان سے سرکار کی انصاف پسندی کا ڈھنڈورا پیٹا۔

"مالک کا امن وچین خطرے میں پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے،"

آپ کے کلیجے میں تو ٹھنڈک پڑ گئی ہو گی۔

انیتا نے بیزاری سے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"مگر میں اس کی آزادی کے لئے زمین و آسمان ایک کر دوں گی۔

"وہ بھی یہی کہا کرتا تھا۔ کہ وہ آزادی کے لئے زمین و آسمان کر رہا ہے۔

گنپت لال کے چہرے پر نفرت کھیل گئی۔

"پھر جیل کیوں چلا گیا۔؟

اچھا ہوا جیل چلا گیا ـــ"

جاگیردار ہنسا ـــ

"خس کم جہاں پاک"

"کانٹا نکل گیا۔" پرکاش کانٹے پر ٹوسٹ کا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے بولا

"پھانسی ملنی چاہئے اسے"

"پھانسی نہ سہی" جاگیردار نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"کم از کم سال چھ مہینے کے لئے تو گیا۔"

"ایک دن کے لئے بھی نہیں۔

سریتا نے میز پر زور سے گھونسا مارا۔

"اسے سزا نہیں ہو سکتی۔"

"میں اپنے گھٹنے ٹیک دوں گی۔

لیڈی بیرسٹر مسز قدوائی سلطے نے کچھ سوچ کر کہا۔

"مگر یہ حکومت کا خرچہ، خدا بچائے اس سے۔

"مگر ہم اپنی بحثوں سے اور اپنے دلائل سے قانون کو قائل کر دینگے۔

"تم ناتجربہ کار ہو ابھی سرد۔"

سمے نے نفرت سے ناک سکوڑی۔

"بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت، نہیں کام آتی دلیل اور حجت"

"کچھ بھی ہو ہم جانیں لڑا دیں گی اپنی

سریتا نے جوش دکھایا۔ اور سلطے اس کے گال پر ایک ہلکی سی چپت

لگا کر بولی۔ فکر نہ کرو۔"

اور سریتا کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو ابدارہ موتی باہر جھانکنے لگے

عدالت میں سریتا اور سیلے دونوں نے مشترکہ طور پر برجموہن کیلئے ہیبس کارپس (حبس بیجا) کی درخواست پیش کی اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ برجموہن کو جلد سے جلد رہا کر دیا جائے۔ مگر چونکہ اسے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت پکڑا گیا تھا۔ لہذا کوئی شنوائی نہ ہو سکی۔ اور مفت میں اس غریب کو جیل میں نظر بند رہنا پڑتا۔

البتہ ان دونوں لیڈی بیرسٹرز کی کوششوں سے اسے اے کلاس دلا دی اور ساتھ ہی اس بات کی اجازت بھی کہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے مل سکتا ہے۔

غریب بنواری اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کی گرفتاری کی خبر سن کر بھاگے چلے آئے اور انہیں سریتا اپنے ساتھ برجموہن سے ملانے لے گئی۔

"میرا لال۔"

برجموہن کی ماں دہائی دیتی ہوئی اس سے لپٹ گئی اور برجموہن اسے تسلی دینے لگا۔ "کیوں روتی ہو ماں۔ رونے کی بات نہیں یہ تو خوشی ہونے کی بات ہے کہ آج تیرے بیٹے نے اپنی منزل کے زینے پر پہلا قدم رکھا ہے۔"

وہ بہت دیر تک اپنی بوڑھی ماں اور اپنے بوڑھے باپ کو سمجھاتا رہا اور انہیں تسلی و تشفی دیتا رہا اس نے ان کا دل بہلانے کے لئے بہت سی ادھر ادھر کی باتیں بھی کیں اور پھر تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد یہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے۔

پندرہ دن کے بعد برجموہن کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور اس دن عدالت میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر قابل دید تھا۔ متھرا اور گاؤں اور قصبوں سے ہر جگہ سے آدمی امڈ امڈ کر آ گئے تھے۔

ہرکاشی بھی آیا ہوا تھا۔ انیتا بھی تھی اور برجموہن کا باپ بھی تھا۔ سریتا اور سلمیٰ نے متفقہ طور پر برجموہن کے کیس کو ڈیفنڈ کرنا شروع کیا۔ ایک کی جگہ دو مجسٹریٹ برجموہن کا یہ کیس سن رہے تھے۔

پیشی تین دن تک مسلسل ہوتی رہی اور تیسرے دن عدالت نے اپنا فیصلہ اس شکل میں سنایا کہ برجموہن کو چھ ماہ کی سزا ہو گئی اور تین سو روپیہ جرمانہ ہو گیا۔ اور اگر جرمانہ کی رقم نہ ادا کی جائے تو مزید تین ماہ کی قید کا فیصلہ سنا دیا گیا۔

اور انیتا نے جوش میں آ کر اسی وقت عدالت کے سامنے اپنا بیگ کھولا اور اس میں ہزار روپیہ کی ایک گڈی نکال کر پھینک دی اور اس کی حرکت پر قانون کی تیوریاں بل پڑ گئے مگر فوراً ہی سریتا اور سلمیٰ نے معاملہ کو سنبھال لیا وہ اسے کھینچ کر باہر لے گئیں۔

برجموہن کو چھ ماہ کی سزا ہو گئی تھی۔

جیل میں برجموہن کی ملاقات اپنے اور دوسرے ساتھیوں سے بھی ہوئی جو ضلع کے مختلف شہروں اور دیہاتوں سے لا کر یہاں بند کر دیئے گئے تھے۔ اس میں مزدور بھی تھے اور کاشتکار بھی۔ اور وہ سب بھی کسی نہ کسی جرم کے الزام میں لا کر یہاں قید کئے گئے تھے گو جرموں کی نوعیت الگ الگ تھی۔ مگر در اصل ان سب کا جرم ایک تھا۔ وہ سب ایک ہی جرم کی پاداش میں برسرِ الجگت رہے تھے اور یہ جرم تھا۔ زندگیوں کے معیار کو بلند کرنیکی جدوجہد انسانیت کے نام کو اونچا اٹھانے کی کوشش بھوک فاقہ مفلسی اور بیکاری سے جنگ کرنا کا جرم اتنا سنگین تھا کہ عدالتوں کے کانوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی کوئی دلیل اور کوئی عذر قابل قبول نہ سمجھا گیا۔

اور ان تمام قیدیوں میں کسی دوسرے کیمپ کا کوئی آدمی نہ تھا۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کے زرخرید غنڈے نہیں تھے۔ عصمتوں کے ڈاکو نہیں تھے۔ اور کھڑی فصلوں کو آگ لگانیوالے چہرے نہیں تھے۔ وہ نہیں تھے جو زر داور زبردستی سے کمزوروں کا حق چھین لیتے ہیں۔ وہ نہیں تھے جو بیکسوں اور مجبوروں کے آنسوؤں پر قہقہے لگاتے ہیں اور وہ بھی نہیں تھے جو ہمیشہ غریبوں اور لاچاروں کے ارمانوں کی چتا جلا کر تماشا دیکھنے کے عادی ہیں۔ یہاں کوئی شریف نہیں تھا بلکہ سب غنڈے تھے" ایک سے ایک بڑھکر چھٹے ہوئے بدمعاش قسم کے غنڈے"۔

اور یہ جیل" شریفوں کیلئے نہیں بلکہ اسی قسم کے غنڈوں کے لئے بنائی گئی تھی۔

اور اسی جیل میں برجموہن کی ملاقات رسول سے ہوئی۔ اس بوڑھے رسول سے

جس کی داڑھی کے کھچڑی بالوں کو مٹی کا تیل چھڑک کر جلا دیا گیا تھا۔ اور جس کے چہرے کی ساری کھال جھلس گئی تھی۔ تھوڑی سے لیکر رخساروں اور لبوں تک کی جلد سیاہ ہو گئی تھی اور چھالے پڑ گئے اور اب ان چھالوں کے پھوٹ جانے سے پورا چہرہ انتہائی بدنما ہو گیا تھا۔ جگہ جگہ سے کھال جل جانے کی وجہ سے گوشت دکھائی دینے لگا تھا۔

رسول نے بتایا کہ وہ موضع شیخو گڑھی کا رہنے والا ہے اور وہاں کا چھوٹا موٹا کاشتکار ہے۔ اس کے ایک جوان بیٹی تھی نوراں۔ اور اس کی یہ بیٹی نوراں حد سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھی۔ اور اس لئے اسکے پاس دور دور سے اسی لڑکی کے رشتہ کیلئے پیغام آ رہے تھے۔

مگر شیخو گڑھی کے زمیندار صاحب رفیق اللہ خاں یہ نہیں چاہتے تھے کہ نوراں کی شادی کہیں اور ہو انکی ہوسناک نگاہیں نوراں پر پڑ چکی تھیں۔ نوراں حالانکہ ان کی بیٹی سے زیادہ عمر میں چھوٹی تھی۔ مگر وہ اسے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے۔

اور ایکدن جبکہ گاؤں سے باہر کسی دوسرے گاؤں کے بازار میں بیلوں کی ایک جوڑی خریدنے گیا تھا۔ اور اس کی بیٹی نوراں اپنے کھیت پر کام کرنے گئی تھی زمیندار صاحب کے لگے ہوئے غنڈوں نے زبردستی اسے اغوا کر لیا۔ اور شام کے جھٹ پٹے میں وہ زمیندار صاحب کے عشرت کدہ میں پہنچا دی گئی۔

اس نے اپنے بچاؤ کی بہترا کوشش کی۔ اپنی عزت بچانے کی جدوجہد میں وہ زخمی ہو گئی زمیندار نے اسے مار مار کر بیہوش کر دیا اسے اور پھر جبکہ وہ بیہوش ہو چکی تھی زمیندار صاحب نے اس کی عصمت کو داغدار بنا دیا۔ انہوں نے ایک ایسی لڑکی کی عزت خراب کر دی جو ابھی کنواری تھی جو اس کی بیٹی سے بھی زیادہ کمسن تھی۔ اور جو انکے

گاؤں کی عزت تھی۔

اور پھر جبکہ وہ ایکبار نہیں بلکہ اس سے کئی بار اپنا منہ کالا کر چکے تو ان کے آدمیوں نے اسے اٹھا کر باہر ڈال دیا اور وہ اپنی قسمت پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی گھر آگئی۔

اور اس نے اس ذلیل زندگی پر موت کو ترجیح دی اور وہ افیم کھا کر پڑ رہی اور افیم کھا چکنے کے بعد جب اس کی حالت خراب ہونے لگی تو اس نے اپنی ماں سے سب کچھ بتا دیا۔

بوڑھا رسول رونے لگا۔ اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولا۔

"اس کی ماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ اپنے سر کے بال نوچنے لگی۔ اس نے اپنے منہ پر طمانچے مارے کہ اتنے میں میں آگیا۔ میں بہت خوش خوش واپس آیا تھا۔ اسلئے کہ مجھے اچھے بیلوں کی جوڑی سستے داموں پر مل گئی تھی۔

"نورن کی ماں" میں نے باہر ہی سے آواز دی۔

"دیکھ تو سہی۔ میں کیا چیز لیکر آیا ہوں"

اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تو میں گھر میں گھس گیا۔ بیل باہر بندھے ہوئے تھے۔ اور اندر جا کر جو میں نے اپنے گھر کا نقشہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

نورن میری بیٹی بیہوش پڑی تھی۔ اس کا آدھا جسم پلنگ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔ اور اس کی ماں پٹی پر سر رکھ کر بیہوش ہو گئی تھی۔

میں نے گھبرا کر نورن کو دیکھا۔ اس کی نبض ٹٹولی۔ مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ نورن مر چکی تھی۔ اور اس کا بیجان جسم آدھے سے زیادہ پلنگ سے نیچے لٹکا ہوا تھا جیسے کہ وہ بڑی جانکنی کی موت مری ہو۔

میں چیخ مار کر رونے لگا - میں نے نورن کی ماں کو جھنجھوڑ ڈالا - اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے - اور وہ ہوش میں آتے ہی پاگلوں کی طرح مجھ سے لپٹ گئی اور رو رو کر اس نے ساری داستان مجھے سنائی -

رسول کی آنکھیں سرخ ہو گئیں - اور وہ دانت بھینچ کر بولا -

" تو پھر آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیا کیا --- ؟ میں نے اپنا گنڈاسا اٹھایا - اور پاگلوں کی طرح میں زمیندار کے مکان کیطرف بھاگا اور وہاں پہنچتے ہی بلا جھجک اندر گھس گیا - اندر مجھے دیکھ کر عورتوں کی چیخیں نکل گئیں - اور وہ ادھر ادھر بھاگنے اور چھپنے لگیں -

زمیندار دالان میں بیٹھا ہوا تھا - اس کے اوسان خطا ہو گئے اور میں پاگل ہو کر اس کی طرف لپکا - اور قبل اس کے کہ میرا گنڈاسا اس ناپاک انسان کا کام تمام کر دے - کئی آدمیوں نے آکر مجھے اچھی طرح جکڑ لیا - مگر اس پر بھی میرے گنڈاسے نے اس کی گردن پر ایک ہلکی سی خراش پہنچا دی - اور اس کی گردن سے ناپاک خون بہنے لگا -

" لیجاؤ اس حرام زادے کو "

وہ زور سے گرجا -

" اور اس کی کھال اڑا دو "

اور اس کے آدمی مجھے کھینچ کر باہر لیگئے - اور مجھے ان لوگوں نے بہت مارا - اتنا مارا کہ میں مار کھاتے کھاتے بیہوش ہو گیا اور ان لوگوں نے میری داڑھی کے بال نوچ ڈالے - اور داڑھی پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی -

اور اس تکلیف سے میں ہوش میں آگیا - میرا سارا چہرہ جل رہا تھا - اور وحشی کھڑے دانت پیس رہے تھے - اور پھر مجھے پولیس کے حوالہ کر دیا گیا - میری کسی نے بھی ایک بات نہ سنی اور زمیندار کے قتل کی کوشش کے جرم میں عدالت نے مجھے پانچ سال قید با مشقت کا حکم سنا دیا - اور جب سے میں یہاں قید کی سختیاں بھگت رہا ہوں - ابھی صرف دو مہینے پورے

ہوئے ہیں۔

میں نے سنا کہ زمیندار نے میرے گھر کو آگ لگادی اور میری بیٹی نورن کی لاش اسی جلتے ہوئے مکان کی چتا میں جل کر راکھ ہو گئی۔ میری بیوی کو گاؤں سے نکال دیا گیا اور گھر پر ہل چلوا کر زمیندار نے اسے زمین کے برابر کر دیا۔

اور اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری بیوی کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ زندہ بھی ہے یا مر گئی اس لئے کہ میرے سوا اس کا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے؟

اور یہ داستان سن کر برجو بن کو پسینہ آگیا۔ اس کی آنکھوں میں آگئے اور اس کا سارا جسم مارے غصہ کے پھنکنے لگا۔

روتے روتے رسول کی ہچکیاں بندھ گئیں

جیل کی اپنی یہ زندگی برجموہن نے محض فضول نہیں ضائع کی بلکہ جیل کے اندر رہ کر بھی وہ پارٹی کی خدمت انجام دیتا رہا۔ انقلاب کے لئے زمینیں ہموار کرتا رہا اور لوگوں کو اپناہم خیال بناتا رہا۔

اس نے جیل کی اس زندگی میں بہت بڑا کام کیا۔ وہ قیدیوں کو اس قسم کی تعلیم دیتا رہا کہ جس سے وہ اپنی زندگی کا صحیح مصرف جان لیں۔ یہ سمجھ لیں کہ زندگی کتنی اہم ہے۔ اور کتنا بڑا آدرش ہے زندگی کا۔ جینے کے ڈھنگ اور زندہ رہنے کے اصول وہ لوگوں کو سمجھاتا رہا اور انھیں ایک نئی قسم کی روح پھونکتا رہا۔ ایک ایسی روح جو غاصبوں سے اپنا حق چھین لینے کی تڑپ اپنے اندر رکھتی ہو۔ اس نے ایک ایسی زندگی کے حصول کی لگن ان لوگوں کے دلوں میں بھر دی جو سب کیلئے ہو۔

سرمایہ داری کے ہتھکنڈوں سے اس نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور انہیں اس بات کی وجہ اچھی طرح سمجھا دی کہ دنیا میں آئے دن قحط کیوں پڑا کرتے ہیں۔ بیماریاں کیوں جنم لیتی ہیں لوگ بھوکوں کیوں مرتے ہیں۔ ملازمتوں کا قحط کیوں پڑ گیا ہے۔ خودکشی کی وارداتوں میں اضافہ کیوں ہو گیا ہے اور زمینیں بانجھ کیوں ہو گئی ہیں۔ عورتوں کا نیلام سر بازار کیوں ہونے لگا ہے۔ اور قحبہ خانوں میں عصمتوں کی فراوانی کیلئے بہتا جارہی ہے۔

آئے دن ایک نئی جنگ کیوں شروع ہوتی ہے اور ایک جنگ کے بعد فوراً ہی دوسری جنگ سر پر لانے کی کوششیں کیوں کیجاتی ہیں۔ سرمایہ کی غلط تقسیم اور اس کے خطرناک نتائج سے اس نے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دیا۔

اور ایک دن جبکہ وہ یہی باتیں اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا۔ اس میں سے ایک پڑھے لکھے نوجوان نے جسے کہ جیب کاٹنے کے جرم میں سزا ہوئی تھی اس سے پوچھا "اگر دنیا میں سب برابر ہو گئے تو دنیا کا کام کیسے چلے گا۔

برابری کے معنی یہ نہیں کہ دنیا میں سب ایک جیسے ہو جائیں

"پھر ـــ!

"ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ دنیا میں کوئی ننگا بھوکا نہ رہے یہ نہ ہو کہ ایک کے پاس دس دس لاکھ روپیہ ہے اور دوسرا ایک وقت کی روٹی کے لئے محتاج ہے ایک کے گھر میں کپڑوں کا انبار لگا ہوا ہے اور دوسرا اپنا تن تک نہیں ڈھک سکتا ایک کے پاس پچاس کمروں والی کوٹھی ہے اور ایک کے پاس سر چھپانے کو بھی جگہ نہیں ہے ایک آدمی کے بچے ہزاروں روپوں کے کھلونے سے کھیل رہے ہیں اور ایک غریب کے پاس اپنے بچے کے لئے غبارے کے دام بھی نہیں ہیں ایک شخص اپنے بچے پر تعلیم گدھے کے بوجھ کی طرح لاد رہا ہے اور ایک شخص باوجود انتہائی شوق اور کوشش کے اپنے بچے کو پرائمری اسکول بھی نہیں بھیج سکتا۔ اس غریب کے پاس کتاب کے دام بھی نہیں ہیں۔

ایک شخص کی بیوی سینکڑوں اور ہزاروں روپیہ ماہوار اپنے فیشن اور عیش و عشرت پر صرف کرتی ہے اور ایک شخص کے پاس اپنی بیماری کے لئے دوا کے دام بھی نہیں ہیں ایک کا بچہ دودھ کیلئے بلک رہا ہے اور ایک شخص کا کتا دودھ پی کر تے کئے دے رہا ہے۔

مطلب یہ کہ ہمارا نظام گری ہوئی زندگیوں کو اوپر اٹھانا ہے اٹھی ہوئی زندگیوں کو نیچے گرانا نہیں ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آج کا لکھ پتی کل کا بھکاری بن جائے اور بھکاری کل لاکھ پتی۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر نتیجہ کیا اس سے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص کو روٹی ملے تن ڈھکنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو جگہ ملے ہم نہ تو ہر شخص

کیلئے محل کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ ہر شخص کیلئے لکھ پتی بنجانے کا۔ بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ دولت کی اس غلط تقسیم کو ہم روک دیں اور جبھی دنیا کے سارے انسان سکھ، چین اور شانتی کی زندگی گذار سکیں گے۔

آپ کے پاس اگر موٹر ہے تو شوق سے ہو ہم اس سے خفا نہیں ہیں کہ آپ کے پاس موٹر کیوں ہے مگر ہاں ہمیں اسوقت تکلیف ضرور ہوگی جب آپ کے پاس دو دو اور چار چار موٹریں ہوں گی۔ اور ہماری جیب میں کرایہ کیلئے پیسے بھی نہ ہوں گے۔ اور ہم اس بات کیلئے مجبور ہونگے کہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ایک میل کا سفر پیدل کریں۔"

برجموہن نے صاف لفظوں سے سمجھایا۔

اکثر یہ بھی سوال کرتے ہیں ہم سے صاف کپڑے کیوں پہنتے ہیں۔ کوٹ پتلون اور ٹائیاں کیوں استعمال کرتے ہیں جبکہ ہمیں عوام کی مزدوروں اور کسانوں کی رہبری کا دعویٰ ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ہمیں صفائی سے یا اچھے کپڑوں اور اچھے کھانوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اور نہ اچھائی ہماری چڑ ہے کہ ہم ان چیزوں سے محروم کر دیں اپنے آپ کو اچھائی تو دراصل مطالبہ ہے ہمارا۔ یہی کوشش ہے ہماری اچھائی ہر ایک کیلئے ہو اور برائی کسی کے لئے نہیں۔ ہمارے مطالبوں سے یہ مطلب نکال لینا بڑی نادانی ہے۔ کہ ہم آسودگیوں کے دشمن ہیں۔ ہم خوشحالی اور آسودگی کے دشمن ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسے دراصل عام کر دینا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دولت ہر ایک کو ملے اس دولت میں ہر ایک حصہ لے خواہ تھوڑا بہت ہی سہی۔

بڑی صاف اور سچی بات ہے۔

سوال کرنے والے نوجوان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک پیدا ہو گئی اور اس نے طے کر لیا کہ وہ آئندہ سے کبھی خودکشی کی کوشش نہ کرے گا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی

طرح آگئی کہ زندگی تو قدرت کا عطا کیا ہوا سب سے بڑا انعام ہے اور اس سے بے انداز پیار ہر ایک کو ہونا چاہیے۔ خودکشی کرنے سے زندگی کی مشکلات ختم نہ ہونگی بلکہ یہ مشکلات ختم ہونگی۔ اس وقت جبکہ زندگی کی خاطر انسان جینا سیکھ لے۔ یہ سیکھ لے کہ اپنے حق کی حفاظت اس کا فرض ہے اور اسے اپنے فرض کو پورا کرنا ہے۔

اور اپنا یہ فرض کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کا سبق بار ہا رجھو ہن انلوگوں کو دے چکا تھا۔

برجموہن جب جیل سے چھوٹ کر آیا تو تقریباً پورے صوبہ میں قحط کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ اور اس کے علاقہ میں تو قحط کا بھوت بڑی بری طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا کسان حراساں تھے اور ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔

برجموہن نے باہر آتے ہی اس بہت بڑے حادثہ کی روک تھام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی وہ گاؤں گاؤں پھرا اور اس نے کسانوں کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی۔

مگر اس کی ان حوصلہ افزائیوں سے قحط کے بادل دور نہ ہوئے۔ ربیع کی پوری فصل برباد ہو گئی جبکہ خریف کی فصل بھی یونہی اکارت چلی گئی تھی۔ بارش کی بوند بھی نہ پڑی اور پورا سال یونہی گذر گیا زمینیں بنجر ہو گئیں اور کھیتوں میں دھول اڑنے لگی مویشیوں کا چارہ ختم ہو گیا اور وہ بھوک سے مرنے لگے۔

ساہوکاروں کی بن آئی اور بنیوں کی چاندی ہو گئی۔ غریب کسانوں کے ہل اور بیل گائیں اور بھینسیں نیلام ہونے لگیں۔ گھر کے سارے برتن بھانڈے اسی قحط کی نذر ہو گئے

دیہات میں زمینداروں نے غلہ اپنی بکھاروں میں ٹھونس لیا اور شہروں میں سرمایہ داروں کے گودام غلوں سے اٹ گئے اور عام لوگ فاقوں سے مرنے لگے۔

پورا علاقہ پیٹ میں تھا اور برجموہن اور اس کے ساتھی پاگلوں کی طرح اس قحط کے خوفناک نتائج کی روک تھام کئے ہوئے دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔

اور مزے کی بات یہ تھی کہ برجموہن کے قصبہ میں اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں قحط کی تباہ کاریاں اور زیادہ زوروں پر تھیں۔

جارج ٹاؤن میں کمیونسٹ پارٹی کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اور اس جلسہ میں قحط کے روک تھام کی تدابیر سوچی گئیں۔ پارٹی ممبروں نے پبلک سے اپیل کی کہ وہ اس بھیانک اور بہت بڑے وقت میں اپنے کسان بھائیوں کی دل کھول کر مدد کریں۔

برجموہن نے کھڑے ہو کر ہزاروں کے مجمع کو مخاطب کیا۔

ساتھیو اور دوستو!

آج ہمارا صوبہ ایک بہت بڑے خطرناک اور بھیانک دور سے گزر رہا ہے جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے اس علاقہ میں قحط پڑ گیا ہے اور ہمارے کسان بھائی جنہیں آپ ہماری ملک کی زندگی میں وہی درجہ دے سکتے ہیں۔ جو جسم میں ریڑھ کی ہڈی کا ہے بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ان کے کھیت سوکھ گئے اور کھلیانوں میں غلہ کی جگہ دھول اڑ رہی ہے۔ ان کے معصوم بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ مویشیوں کو چارا نہیں مل رہا اور وہ ایک۔ ایک کر کے مرتے جا رہے ہیں تماں کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو گیا ہے۔ اور شیر خوار بچے بلک بلک کر اپنی ماؤں کی گودوں میں دم توڑتے رہیں۔

ساہوکاروں سیٹھوں، بنیوں اور رئیس لوگوں کی بن آئی ہے وہ ایک ایک مٹھی اناج کے لئے کسان بھائیوں کے گھروں کا اثاثہ ہضم کئے جا رہے ہیں زمینداروں اور جاگیرداروں کی نیتیں خراب ہو گئی ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنی رعایا کی ایسے برے وقت میں مدد کریں۔ وہ اور ہی قسم کا نیا شکار کھیل رہے ہیں عصمتیں لٹ رہی ہیں اور ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی لاج سر بازار نیلام ہو رہی ہے۔

بوڑھے جو قوم کی یادگار ہیں۔ ایک ایک کر کے ہم سے جدا ہوتے جا رہے ہیں اور جوانوں کے حوصلوں پر بھوک نے اپنا غلبہ کر لیا ہے بہت بھیانک سنکٹ آ گیا ہے۔ اور اس

برے وقت میں ہماری امیدیں آپ لوگوں سے وابستہ ہیں۔ بھوک سے مرنے والوں کی نگاہیں آپکی طرف لگی ہوئی ہیں۔ آپ ان کی مدد کیجئے اور انہیں مرنے سے بچا لیجئے۔

آج وہ ان داتا جو ہم سب کا پیٹ بھرتا ہے۔ جس نے ہمیشہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر آپ کا پیٹ بھرا ہے بھوک کی چتا میں پڑا کراہ رہا ہے۔ اور قبل اس کے کہ موت کی چنگاری اس چتا کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے، آپ اس چتا پر اپنے کرم کی بارش کر دیجئے اور اس چنگاری کو بجھا دیجئے جو بھوک کی اس چتا پر بجلی بن کر گرا چاہتی ہے ان ہاتھوں کو تھام لیجئے جو کبھی آپ کے لئے دھرتی کا سینہ چیر کر آپ کے لئے روٹی مہیا کرتے تھے۔

آج روٹی جو کہ زندگی کی واحد ضرورت ہے سرمایہ داروں کے گوداموں میں قید کر دی گئی ہے اور زندگی کی اس سب سے بڑی اور واحد ضرورت کو ہم اسوقت تک آزاد نہیں کرا سکتے جب تک کہ آپکا دست تعاون ہماری طرف نہ بڑھے۔

بچا لیجئے، آج کسان کی اس زندگی کو بچا لیجئے۔ جو ہمارے ملک کی شان ہے اور جسکے احسانات سے ہم کبھی اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔ کسان کی عظمت جو اناج کے ایک ایک دانے پر لکھی ہوئی ہے آج انہیں دانوں کی محتاج ہے جو اس کی عظمت کے جیتے جاگتے گواہ ہیں کسان کی محنت آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے ہم پر ادھار ہے اور اس کے اس قرض کو چکتا کرنے کا اس سے اچھا موقع اور کبھی نہیں مل سکتا۔

اگر آپ لوگ ایک ساتھ مل کر اپنے اس سب سے بڑے دوست اور سب سے بڑے محسن کے تعاون کی قسم کھا لیں تو میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ موقع پرستوں کی موقع پرستی کے سارے قلعے ایک ساتھ منہدم ہو جائینگے۔ اور ان کی یہ ناپاک خواہش کہ وہ آپکے اس مظلوم دوست کی لاش پر کھڑے ہو کر اپنی جھوٹی عظمتوں کے قصیدے دھرائیں ملیا میٹ ہو جائیگی

برجیش کی پرزور اور پراثر تقریر کا بہاؤ ابھی تھما ہی نہیں تھا کہ سننے والے کی جیبیں کھل گئیں۔ اور انہوں نے اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے سامنے اپنی کانپتی اور لرزتی ہوئی

انگلیوں سے اپنی اسوقت کی ساری جمع پونجی ایک ایک کر کے ڈھیر کر دی

عورتوں نے زیورات اتار کر دے دیئے اور بچوں نے اپنے کھلونے نیلام کر ڈالے اور ان کھلونوں پر بولی لگانے والوں نے دو دو اور چار چار آنوں کے کھلونوں پہ چالیس چالیس یا پچاس پچاس اور سو سو روپے کی بولی دی

بس کرو برجموہن ایشور کیلئے بس کرو۔

انیتا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اس نے اپنی ہیر فنگی چوڑیاں سونے کی گھڑی ہیرے کی انگوٹھی اور سچے موتیوں کا ہار اور ہیروں کے آویزے اتار کر دے دیئے۔ اور اس نے اپنا پورا بینک پر برجموہن کے حوالے کر دیا اور یہی نہیں بلکہ اس نے اپنی کیبڈی گاڑی بھی اس فنڈ میں دے ڈالی۔

اور پھر جبکہ یہ ہنگامہ ختم ہوا تو برجموہن نے اس سے کہا۔

تم اپنی گاڑی واپس لے لو انیتا تمہاری دی ہوئی اور دوسری چیزیں کچھ قیمتی کم نہیں ہیں۔

دیکھی باتیں کرتے ہیں آپ۔

اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

کاش میرا باپ بیچ میں حائل نہ ہوتا تو میں اپنا سارا اثاثہ اس فنڈ میں دے ڈالتی اور میری جان ... اگر ضرورت ہوا کی تو میں اسے بھی دے سکتی ہوں۔

برجموہن نے انیتا کو بغور دیکھا ... وہ اسے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ یہانتک کہ وہ اسے پاگلوں کی طرح جھنجھوڑ کر بولا۔

انیتی - انتم انقلاب کی دیوی ہو۔ روح ہو انقلاب کی وہ بڑے فخر اور تمکنت کیساتھ کہہ رہا تھا

آج مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ یہی آزادی کا سورج نکلنے والا ہے اس ملک پر جو دن اب زیادہ دور نہیں جبکہ سالے وڈیرے جائینگے پھر اجالوں سے اس دھرتی کا کونہ کونہ منور ہو جائیگا۔

پارٹی کی زیر نگرانی صوبہ بھر کے ان دیہاتوں میں جو کہ قحط کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ ریلیف کا کام بڑی شدومد کے ساتھ جاری تھا۔ رضاکار اور کامریڈ کسانوں کی ڈوبتی ہوئی زندگیوں کا سہارا بنے پھر رہے تھے جگہ جگہ خانے کھل گئے تھے اور بیماروں کی [illegible] کیلئے کیمپوں میں عارضی ہسپتال کھول دیئے گئے تھے۔

اور اس کام میں برجموہن کے ساتھ انیتا اور نرملا دونوں شریک تھیں۔ نرملا نے نئے مقدمات لینے بند کر دیئے تھے اور پرانے مقدمات کی پیشیاں اس نے بڑھوا لیں تھیں اور جو نہایت ضروری اور اہم مقدمات تھے انہیں وہ لیڈی بیرسٹر مس ملمنی کے سپرد کر چکی تھی۔

شہروں میں پارٹی کے زیر اہتمام مشاعرے منعقد ہوئے تھیٹر پروگرام اور ڈرامے کئے گئے اور طرح طرح کے ورائٹی پروگرام ترتیب دیکر یہ لوگ قحط کے ماروں کی مصیبتوں کو دور کرنے کیلئے روپیہ اکٹھا کرنے میں دن رات ایک کئے ہوئے تھے۔

گھروں پر جا جا کر پارٹی کی کامریڈ لوگوں کو ان پروگراموں کے ٹکٹ دیتے اور اس سے استفادہ کرنے کو ملک کے اس بھیانک دور کو دور کرنے کی جدوجہد میں وہ ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے اور وہ شہر کے خاک چھان کر ساتھی لڑکیاں روپیہ فراہم کر رہی تھیں۔ پارٹی کی ساری شاخیں جو کہ ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں اسی ایک کام میں ہمہ دل و دماغ لگی ہوئی تھیں۔

انیتا نے اپنے باپ لالہ گنپت رائے سے تجدید عہد کی کہ وہ اس نازک وقت میں اپنے گودام

گیہوں اور چاول کی بوریاں قحط زدگان کی امداد کیلئے دے۔ وہ اپنی بیٹی کی اس بچکانی ضد پر مسکرایا۔

"کیسی بچوں کی سی ضدیں کرتی ہو تم"

"یہ بچوں کی سی ضد ہے۔" انتیا چیں بجبیں ہو کر بولی اور نہیں تو کیا۔

"گنپت لال سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ تمہاری بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم مجھے وہ مشورہ دے رہی ہو جو میں زندگی بھر نہیں کر سکتا۔

کیوں آخر۔

"نادان ہو تم ابھی۔

اس نے انتیا کو سمجھایا۔

بزنس کبھی جذبات کی رو میں بہہ جانے سے نہیں ہوتا۔

"لاکھوں آدمی بھوکوں مر رہے ہیں اور آپ کے گوداموں میں لاکھوں من غلہ بھرا پڑا ہے۔ اور

گنپت لال نے بات کاٹی

لاکھوں آدمی بھوکے مر رہے ہیں، تو اس سے میرے لاکھوں من غلہ کا کیا واسطہ

کیسی باتیں کرتے ہیں آپ" انتیا جھنجھلا گئی

اسی لئے تو لاکھوں آدمی بھوکے مر رہے ہیں کہ آپ نے لاکھوں من غلہ اپنے گوداموں میں چھپا رکھا ہے۔

"بزنس اسی طرح کمایا جاتا ہے۔

گنپت لال بولا

اگر لاکھوں من غلہ میں جمع کر کے نہ رکھتا تو آج اتنے اچھے بھاؤ نہ ملتے تجھے۔ پہلے روپیہ

رکا اور اب اسی کا نفع کما رہا ہوں۔

"مگر یہ پاپ ہے۔

نفع کبھی پاپ نہیں ہوتا۔

وہ مسکرایا۔

نفع نفع ہوتا ہے۔

اور پھر وہ اپنی بیٹی کا دل رکھنے کیلئے بولا۔

تم اگر چاہو تو میں تمہارے پروگرام کے کیش ور قم دیکر ٹکٹ خرید لوں بھلے ہی وہ

ایکہزار کا ایک ٹکٹ کیوں نہ ہو۔

"مگر۔

"تم نہیں سمجھو گی ان باتوں کو

گنپت جھنجھلا گیا۔

یہ کوئی گیڈی لیگ گارڈ سی تو نہیں کہ میں اٹھا کر یونہی دیدوں تمہاری طرح یہ

اناج ہے اناج۔ اور اناج اس طرح نہیں بانٹا جاتا۔

مگر اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔

انفیا جیسے کہ اس گتھی کو سمجھانا چاہتی ہو۔

کیش رقم نہ دیجئے چاول دے دیجئے۔

سیٹھ گنپت لال اپنی اکلوتی بیٹی کی اس سادہ لوحی پر ہنسا۔

پگلی ــ !

وہ سمجھا نے لگا۔

کیش رقم جو میں دونگا وہ پھر میرے ہی پاس واپس آنے والی ہے۔ اور منافع کیساتھ

وہ کیسے -؟

تم لوگ اسی روپیہ سے چاول خریدو گے نہ؟ اور وہ چاول کہاں سے جائیگا - میرے انہیں گوداموں سے - اور جب لوگوں کے پاس روپیہ افراط ہوگا تو میں چپکے سے دام اور بڑھا دونگا اور اس طرح مجھے اور زیادہ نفع ملیگا -

بڑے سنگدل اور ظالم ہیں آپ -

یہ ظلم نہیں تجارت ہے -

لعنت ہو آپ کی تجارت پر -

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری اس ڈھیل اور لاڈ پیار سے بہت زیادہ گستاخ اور بدتمیز ہوتی جارہی ہو -

سیٹھ گنپت لال زوری نے بڑی قہر آلود نظروں سے انیتا کو گھورا -

خبردار جو آج سے بدتمیزی کی -

اور پھر وہ آٹے میں ملی ہوئی شکر کی پڑیا لیکر جیورکش کیلیے باہر نکل گیا - وہ ہر روز صبح اور شام دونوں وقت چیونٹیوں کی جڑوں میں اور ادھر ادھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر آٹا اور شکر کھلایا کرتا تھا - جیو رکش کیلیے

پارٹی شہروں سے غلّہ خرید خرید کر قصبوں اور دیہاتوں میں پہنچا رہی تھی اور وہاں پہنچکر یہ غلّہ جان بلب انسانوں کی زندگیاں بچا رہا تھا۔ کہ اچانک حکومت نے ایک قانون نافذ کر دیا جسکی رو سے غلّہ، کسی قسم کا غلّہ شہروں سے باہر نہیں لیجایا جا سکتا تھا۔ جواز یہ پیش کیا گیا کہ اسطرح اگر شہروں سے غلّہ ڈھل ڈھل کر باہر جاتا رہا تو اس سے شہروں کی غذائی حالت کے بگڑ جانے کا ڈر ہے۔

اور اب یہ ایک نیا اور بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ جو ورکروں کے سامنے آگیا تھا۔ اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ضمن میں اب وہ کیا کریں۔ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔

بہتیرا کوششیں کیگئیں، جلوس نکالے گئے ہنگامے ہوئے اور حکومت کو سمجھانے کی بہتیرا کوشش کیگئی کہ اسکی اس جدید قسم کی پابندی سے دیہات کی زندگیاں یکدم موت کے منہ میں چلی جائینگی مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور اس نے اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی تک کرنیکی زحمت گوارا نہ کی یہی عذر پیش کیا گیا کہ شہری زندگی کے نظام کو بگڑنے نہ دینا ہمارا اولین فرض ہے۔

مجبور ہو کر یہ صلاح کی گئی کہ اب اسی غلّہ سے کام چلایا جائے جو قصبوں اور دیہاتوں میں زمینداروں، ساہوکاروں۔ جاگیرداروں اور بنیوں کے بکھاروں میں چھپا پڑا ہے۔

فیصلہ تو کر لیا گیا مگر اس فیصلہ پر جب عمل کا وقت آیا تو بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا قصبوں اور گاؤں کے یہ سرمایہ دار شہریوں سے بھی زیادہ کمینے اور بے رحم نکلے انہوں نے اپنا چھپا ہوا غلّہ کسی قیمت پہ بھی بازار میں لانے سے انکار کر دیا۔

بڑی الجھن تھی۔ یہ اور بڑا پریشان کن مسئلہ سامنے آگیا تھا۔

خود برجوہن کا قصبہ موت اور زندگی کے دوراہے پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ یہاں قحط کا وباڑا اور جگہوں سے کہیں زیادہ تھا۔ اور یہاں جتنا بھی غلّہ تھا وہ تنہا جاگیردار کی بکھاروں میں چھپا پڑا تھا۔ اور جاگیردار کا انتظار ناگ کی طرح پھن پھیلائے ان بکھاروں پر مسلط تھا۔

سرتیا نے بذات خود اپنے باپ سے بہتیرا کوشش کی، بڑی منت سماجت کی۔ بڑے ہاتھ پاؤں جوڑے کہ وہ اپنی رعایا کو بہت زیادہ فاضل پڑا ہوا غلّہ دیکر موت کے منہ سے بچا لے مگر وہ نہ مانا۔ ایک کی جگہ دوگنی، چوگنی اور پنج گنی قیمت پر بھی وہ غلّہ دینے پر راضی نہ ہوا۔

پرکاش نے غرور کی شکنوں کو اپنی پیشانی پہ جمع کر کے حکم سنایا۔

غلّہ کا ایک دانہ بھی وہ ان سرپھرے اور غدار کسانوں کو نہ دیگا۔ اگر وہ کل مرتے ہیں تو آج مر جائیں اور آج مرتے ہیں تو ابھی دم دے دیں۔ مگر یہ غلّہ ان کے کسی کام نہ آسکے گا۔

اور قصبہ کی یہ حالت تھی کہ خدا کی پناہ بچے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ عورتیں بھوک سے نڈھال ہوتی جا رہی تھی اور جوانوں کے چہروں پہ سرخی کی جگہ بھوک اور فاقہ کی سیاہی پھیل گئی تھی۔ اور بوڑھے روزانہ دو چار دس مر جاتے تھے۔

باہر بھوکے ننگے اور مرجھائے ہوئے کسانوں کا ایک ہجوم تھا۔ جو جاگیردار کی کوٹھی کے سامنے سسک رہا تھا بچے بلک رہے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں اور مرد گڑگڑا رہے تھے۔

" دہائی ہے سرکار کی دہائی ہے۔

" ایشور کیلئے ہم پر دیا کرو۔ ترس کھاؤ ہم پر "

.. تم ہماری کھال کے جوتے پہن ڈالو مگر ایشور کیلئے میرے بچے کیلئے ایک مٹھی چاول

دے دو۔

ہم مرتے دم تک تمہارے غلام رہیں گے۔ جو چاہو لکھ لو ہم انگوٹھا لگائے دیتے ہیں۔
مگر ہم پر ایسے نازک لمحے میں دیا کرو۔

ایک جوان لڑکی اپنی گود پھیلا کر چیخی۔

ہے کاش بالم! کہاں ہو تم۔ آؤ اور آکر میری بوٹیاں نوچ ڈالو۔ جو سلوک چاہو کرو میرے ساتھ۔ میں کل تک تیار نہ تھی۔ مگر آج تیار ہوں۔ آج میں اپنی عزت خود اپنی جھولی میں بھر لائی ہوں تمہارے لئے لیلوا ہے مگر میرے اس دم توڑتے ہوئے بچے کے منہ میں دودھ کی دو بوندیں ٹپکا دو۔ آج اپنے لال کی خاطر صرف دودھ کی دو بوند کیلئے میں اپنا سب کچھ تمہارے قدموں پر ڈال رہی ہوں۔

اس نے اپنے آٹھ مہینے کے مرجھائے ہوئے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

" کیا بکتی ہے ری "

ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر لڑکی کا منہ دبا دیا۔

پاگل ہو گئی ہے یہ ۔ میری بٹیا پاگل ہو گئی ہے۔

وہ خود پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجمع کو دیکھنے لگا۔ اور پھر وہ خود بھوک کے ضعف سے تیورا کر گرا اور وہیں اسی جگہ گر کر خاموش ہو گیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ نہ جانے کیوں ہوا میں معلق ہو کر اکڑ گئے تھے۔

....

اور اندر سرتیا پاگلوں کی طرح اپنے باپ اور بھائی سے جھگڑ رہی تھی۔

بھیا تم انسان نہیں بھیڑیے ہو۔ قصائی ہو تم۔ اندھے ہو تم۔ گونگے اور بہرے ہو جو تمہارے کانوں میں انسان کی یہ بلبلاہٹ نہیں پہنچ رہی۔

میں خون کر دوں گی تمہارا۔ جان سے مار ڈالوں گی تمہیں۔

اور اس نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی پرکاش کے کپڑے نوچ ڈالے اور غصے میں اس نے تھوک دیا اس کے منہ پر۔ پرکاش جھنجلا گیا غصہ سے آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس کی آواز اس نے سرتیا اپنی بہن کے منہ پر ایک زور کا طمانچہ مارا اور اسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیا۔

اور جاگیر دار نے آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

تم نے اپنی حماقتوں سے ہمارا دم ناک میں کر دیا ہے۔

وہ نفرت سے منہ لگاڑے کہہ رہا تھا۔

یہی وہ نمک حرام کاشتکار ہیں جنہوں نے میرے خلاف جلوس نکالے تھے۔ نعرے لگائے تھے۔ اور مجھے گالیاں دی تھیں لال جھنڈا اٹھا کر یہ حرامزادے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب دنیا میں جو کچھ بھی ہے ان کے لئے یہی لال جھنڈا ہے۔ کل تک وہی سب کچھ تھا ان کا تو پھر آج میرے در پر بھیک مانگنے کیوں آئے ہیں کیوں نہیں جا کر اپنے لال جھنڈے سے روٹی مانگتے کیوں نہیں جاتے اسی چھٹی پارٹی کے پاس جس نے ان کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ اب یہاں کیا لینے آئے ہیں میں ان سور کے بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپتا ترستا اور بلک بلک کر دم توڑتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں یہی میری آرزو ہے اور یہی میری خواہش ہے۔

اس نے اپنی گردن اونچی کی اور دانت پیس کر بولا۔

کہو ان کتوں سے کہ میرے دروازے پر نہ مریں آکر نہیں تو میں ان سب کو ایک ساتھ ختم کر دوں گا۔ جی چاہتا ہے کہ ان حرامزادوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں۔

پتا جی —!"

سرتیا زور سے چیخی۔

ہوش میں آیئے اور گالیاں مت دیجئے۔ مظلوموں کو نہیں تو ..... نہیں تو میں آپ کے منہ پر بھی تھوک دونگی جس طرح کہ میں نے اس جانور پر کاش کے منہ پر تھوک دیا ہے۔

بد زبان چھوکری ــ!

مارے غصے کے جاگیردار کانپنے لگا اور اس نے دھکے دے دیکر سرینا کو اپنی کوٹھی سے باہر نکال دیا۔

باہر رحیم بن کھڑا تھا۔ اس نے جاگیردار کو دیکھکر کہا۔

جاگیردار صاحب! آپ جو قیمت چاہئے لے لیجئے مگر غلہ کی کھٹاروں کا منہ تو آپکو کھولنا ہی پڑیگا۔ انسانوں کی بھوک تو اب سر سے گزر چکی ہے۔

غلہ کی قیمت تو مجھے دینا چاہتا ہے۔

جی ــ!

..تو کان کھول کر سن لے کہ ان تڑپتے اور ترستے ہوئے انسانوں کی موت ہی میرے غلہ کی قیمت ہے اس نے مجمع کیطرف ہاتھ اٹھایا۔ میں ان میں سے ایک ایک کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔

" ہم پر نہیں بچوں پر تو ترس کھایئے جاگیردار صاحب۔

بوڑھے ابراہیم چاچا نے ہاتھ جوڑ کر لجاجت سے کہا۔

ہم نے مانا کہ آپ کے قصور وار ہیں مگر ان معصوم، پھول جیسے بچوں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا۔

سانپ کے سپلیوں پر رحم کیا ہے کسی نے آجتک۔ جاگیردار حقارت سے بولا۔

"تم سب پر رحم کے دروازے بند ہو چکے ہیں"

تو یہ آخری فیصلہ ہے آپ کا -؟"

برجموہن نے سنجیدگی سے سوال کیا -

بالکل آخری فیصلہ - جاگیر دار نے تیز ہو کر اپنی ناک اور بھوؤں کو سکوڑتے ہوئے کہا

ٹھیک "

برجموہن نے اپنے ساتھیوں کیطرف اشارہ کیا -

"ساتھیو - !برداشت کی حد ہو چکی - لوٹ لو ان بکھاروں کو جنمیں ان پاپیوں نے ہمارے معصوم بچے کی مسکراہٹوں چھپا رکھی ہیں لوٹ لو ان گوداموں کو جنکے اندھیروں میں ان بدبختوں نے زندگیوں کے اجالے کو قید کر رکھا ہے کسان کی محنت کا جمع کیا ہوا ان آج انہیں کے کام آئیگا -

اور اتنا سننا تھا کہ سرفروش ساتھیوں نے ایک جوش کے ساتھ جاگیر دار کی کوٹھی کے تہ خانوں بکھاروں اور چھپے ہوئے گوداموں پر ہلہ بول دیا - اور ان کے پیچھے بھوکے عوام کا ایک جم غفیر اُمڈ پڑا -

جاگیر دار کے پیادوں، کارندوں اور پاسیوں نے مل جل اس لوٹ کو روکنے کی کوشش کی اور پرکاش اپنی جیپ پر بیٹھ کر پولیس اسٹیشن کی طرف بھاگا -

بھوکے اور بپھرے ہوئے کسانوں نے برجموہن اور اسکے ساتھیوں کیساتھ ملکر جاگیر دار کی بکھاریں لوٹ لیں گودام لوٹ لیئے اور لوٹ میں مزاحمت کرنے والے زر خرید غلاموں ہڈیاں توڑ ڈالیں سر کھول دیئے ان کے -

اور پھر پولیس آگئی آس پاس کے تھانوں سے بلا بلا کر تقریباً سوا سو پولیس اور سارجنٹ پرکاش کی معیت میں موقع واردات پر آدھمکے -

پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور گولیاں چلائیں اور کسانوں کے بھرے پڑے جوش نے ان لاٹھی اور گولی چلانے والوں کا دل کھول کر مقابلہ کیا کئی پولیس کے سپاہی زخمی ہوئے ایک سارجنٹ جان سے مارا گیا۔ اور اسی مار پیٹ میں کسی نے پرکاش کا ہاتھ توڑ دیا کئی کسان پولیس کی گولیوں سے مارے گئے اور سینکڑوں کے چوٹیں آئیں۔

اور اسی دن اور گاؤں اور قصبوں میں بھی لوٹ مار کی واردات ہوئیں کاشتکاروں نے بھوک سے تنگ آکر زمینداروں بنیوں اور ساہوکاروں کی بکھاریں لوٹ لیں۔

فاقوں سے بلبلائے ہوئے غریب کسانوں کی یہ پہلی جرأت تھی جو انہیں بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے بجائے اٹھ بھڑ کر اپنے حق زبردستی سے چھین لینے کی منزل تک آئی۔

صدیوں کے ستائے اور دبائے ہوئے انسانوں کا یہ پہلا جوش تھا جو سرمایہ پرستوں کی بےجا لوٹ کھسوٹ اور ظلم و جبر کے خلاف اس شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا تھا۔ گویا حق داروں نے اپنے حقوق کی حفاظت سیکھ لی تھی۔ اور وہ اس منزل کے قریب پہنچ چکے تھے کہ۔

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روٹی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رات کے پچھلے پہر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں برجموہن کو نیند آگئی۔ وہ آج کی رات بھر نہیں سو سکا تھا۔ مگر پچھلے پہر اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گیا۔ کوٹھری کی دیواریں سیلی ہوئی تھیں اور کوٹھری کا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا اور ناہموار تھا۔ اور وہ اسی ناہموار فرش پر اکڑوں بیٹھی ہوئی دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر سو گیا تھا۔ اور یہ جیلر کی اپنی مصلحت پرستی تھی کہ اس نے برجموہن کیلئے یہ جگہ انتخاب کی۔ گھٹی اور گندی کوٹھری جس میں سیلن تھی جس میں بدبو تھی اور جس میں غلیظ اندھیرا تھا۔ اور جہاں رینگنے والے گندے کیڑے مکوڑے اور چوہے پھر رہے تھے۔

شاید جیلر کی یہ رائے رہی ہو کہ برجموہن خطرناک قسم کا مجرم ہے۔ ایک ایسا مجرم جس پر قتل و غارت گری، آتش زدگی اور لوٹ مار کا مقدمہ چل رہا ہے۔ جس نے جاگیردار کے خلاف کاشتکاروں کو اکسایا اور اس کے قبضے سے بھرے ہوئے گوداموں اور بکھاریوں کو لوٹ لیا جاگیردار کے آدمیوں کو جس نے مارا اسکی کوٹھی کو آگ لگا دی اور جس نے اپنے ساتھیوں سمیت پولیس سے مقابلہ کیا کئی سپاہی زخمی کئے۔ جاگیردار کے بیٹے کا ہاتھ توڑ دیا اور ایک سارجنٹ کو جان سے مار ڈالا۔

جیلر جو کہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتا تھا۔ جو یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جرم کی یکسانیت کچھ ایک نوعیت کی نہیں ہوتی جو یہ نہیں جان سکتا تھا کہ مجرموں کے چہرے کبھی ایک جیسے نہیں ہوتے اگر ان کی ظاہری صورتیں ایک جیسی ہوں بھی تو ان کے ارادے ہمیشہ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ان کی نوعیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

اور ارادوں کے اس فرق اور غلطیوں کے اس تضاد کو وہ سمجھ بھی کیسے سکتا تھا۔ بیچارا اس نے تو اپنی ساری زندگی میں یہی ایک بات سیکھی تھی کہ حکومت کے قانون کے آگے سر جھکا دو اور عدالتوں کے کئے ہوئے فیصلوں کو انصاف خداوندی سمجھ کر آمنّا وصدّقنا کہتے ہوئے ان پر عمل کرو اور اس سے آگے کوئی بات سوچنے اور سمجھنے کی کوشش اسلئے نہ کرو کہ ایسی کوشش گناہ ہے۔ کفر ہے۔

بالکل اسی قسم کا کفر جیسے کہ کوئی مومن یہ سوچے کہ جب خدا نہیں تھا تو کیا تھا اور جب خدا نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اور یہ کہ خدا خود کہاں سے آیا۔ اور خود اس کی اپنی نوعیت کیا ہے۔

اور رحیمن کی آنکھ لگے ابھی مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہونگے کہ اس کی نیندوں میں اسکی کشمکش حیات کے ہنگامے اور اس کی جدوجہد کے خاکے سما گئے۔

وہ دیکھنے لگا کہ ساری دنیا کے کسان اور مزدور ایک صف میں کھڑے ہوکر شانے سے شانہ ملائے دنیا بھر کی فسطائی قوتوں سے ایک ساتھ ٹکرا رہے ہیں۔ اور جمہور اور فسطائیت کی اس آخری اور فیصلہ کن جنگ میں دنیا بھر کے عوام اور نچلے طبقہ کا ایک ایک فرد کسانوں اور مزدوروں کی پشت پناہی کر رہا ہے۔

ایک طرف انقلاب کی قوت ہے اور ہر دوسری طرف سیم وزر کی دیواریں درمیان میں حائل ہوکر اس انقلاب کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہتی ہیں۔ دنیا بھر کے سیٹھ، ساہوکار، بنیے جاگیردار، زمیندار اور پونجی پتی سانپوں، بچھوؤں، کنکھجوروں، مگرمچھوں، بھیڑیوں اور اژدہوں کی شکلوں میں ان انسانوں سے برسرپیکار ہیں اور ان کے جسموں سے چمٹے ہوئے انہیں ہلاک کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ آگے نہ بڑھنے پائیں۔ مگر یہ محنت کش اور انقلاب کے شیدائی ان تمام عارضی قسم کی قوتوں سے نڈر ہوکر برابر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے اتحاد، اتفاق اور عزم کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر ان کیڑوں، مکوڑوں اور درندوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہیں ہلاک کر رہے ہیں

اور آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔

سرمایہ داروں کی سونے کی دیواریں ٹوٹ چکی تھی اور ڈالروں کے سمندروں میں سرفروشوں کی قوت عمل نے راستے بنا دیئے ہیں اور بلا تکان بے تکلف اور بے خوف ہو کر عوامی دستے ان راستوں سے گزر رہے ہیں اور گزرتے جا رہے ہیں۔

بچوں کی بھوک، بوڑھوں کی بد دعائیں، عصمتوں کی بلبلاہٹیں، بیماروں کی کراہ اور بیواؤں کے آنسو اور بیکسوں کی سسکیاں اور جوانوں کی ناتمام آرزوئیں یہ وہ جملہ ہتھیار ہیں۔ ان کے پاس جن کی طاقت ان مصنوعی قسم کے ہتھیاروں سے کہیں زیادہ قوی ہے جو توپوں بندوقوں مشین گنوں، ٹینکوں اور سنگینوں کے اثرات سے زیادہ پر اثر اور مہلک ہیں اور جنکی قوت کے سامنے تمام ایٹمی طاقتیں بیکار ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ہائیڈروجن اور ایٹم بم جس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور آج تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی صدیوں کا پرانا، فرسودہ اور سڑا گلا نظام دم توڑ رہا تھا۔ اور انقلاب کے دستے سرمایہ داری کی اس دم توڑتی ہوئی لاش پر سے گزر رہے تھے۔ اور گزرتے جا رہے تھے۔

برجموہن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ اور اس کا چہرہ انقلاب کے تابناک نور میں نہا گیا۔ اور اس نے جیل کی اس گندی اور گھٹی ہوئی کوٹھری میں پڑے پڑے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور اب اس کا چہرہ کھلا دیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں یقین کی چمک تھی اور اس کا دل انقلاب کی آمد آمد کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے سینے میں دھڑک رہا تھا۔

صبح صادق کی پرنور روشنی اس کی کوٹھری کی روزن سے اندر جھانک رہی تھی۔

....

لیڈی بیرسٹر مس سلمیٰ قدوائی اور لیڈی بیرسٹر مس مرتیا کی قابل فہم جرحوں، بحث مباحثوں اور نکتہ رسائیوں کے باوجود عدالت عالیہ نے رحموہن کو مجرم تسلیم کر لیا۔ اس پر حکومت کے قوانین میں بیجا مداخلت قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا الزام تھا۔ اس پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے عوام کو عام بغاوت کے لیے اکسایا۔ انہیں بیجا قسم کا جوش دلا کر اسبات کی کوشش کی کہ وہ ان کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹ دے۔ اس پر سارجنٹ پولیس کے خون کا الزام تھا اور اس پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے امن و امان قائم کرنے والی پولیس کے کاموں میں بیجا مداخلت کی اور اسے اپنے فرائض کی بجا آوری سے روکا۔ اور اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے جاگیردار کی کوٹھی میں آگ لگا دی اور اس کے گوداموں اور بکھاروں کو لوٹ لیا

قصبہ کے فساد کی ساری ذمہ داری اس پر تھی اور اس مقدمہ میں اس پر ایک دو نہیں بلکہ آٹھ دس الزامات تھے۔ اور جس میں سارجنٹ پولیس کے قتل کا الزام سب سے زیادہ اہم اور خاص تھا۔

مرتیا کی ساری نکتہ دانیاں ختم ہو گئیں اور مس سلمیٰ قدوائی کے تجربے اور سوچ سمجھ اور غور و فکر سب پر پانی پھر گیا۔ انتہا کی دولت اور اس کی بے چینی۔ اضطراب اور بے قراری سب فضول چلی گئی۔

ہزاروں دلوں کی دعائیں ناکام ہو گئیں — اور برادری جوش و محبت کوئی کام نہ اس کی ماتا کی چیخیں اور پکار قانون کے فیصلوں کو نہ بدل سکیں۔

اور بھری عدالت میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے قانون نے اپنا فیصلہ سنا دیا ۔ لہٰذا ملزم برجموہن کو مجرم تسلیم کرتے ہوئے اسے سزائے موت کا حکم سنایا جاتا ہے ۔"

چیخوں ۔ آہوں ۔ سسکیوں اور آنسوؤں کا طوفان امڈ پڑا اور ایک ساتھ ہزاروں دلوں کے ٹکڑے ہو گئے مگر قانون جو کہ حق اور انصاف کے لیے کسی کی پرواہ نہیں کرتا اپنا فیصلہ سنا چکا تھا ۔

فضا میں غمناک ہو گئی تھیں اور ماحول کے چہرے پر اداسیاں سمٹ آئی تھیں۔"

جیل کے گھڑیال نے رات کے ٹھیک بارہ بجائے اور برجموہن کی زندگی اور موت کے ڈانڈے گلے مل گئے اور پھر ایک پل کے بعد "کل" آج بن گیا اور اس کی کل کی زندگی ختم ہو گئی اور آج کی موت سامنے آ گئی۔ اسے اب سے ٹھیک چھ بجے پھانسی دی جانے والی تھی یعنی ٹھیک چھ گھنٹے بعد۔

اسے آج صبح چھ بجے جیل کے اندر پھانسی دی جانے والی تھی اور اس کی اس عظیم موت کے استقبال کیلئے گاؤں اور قصبوں کے ہزاروں کاشتکار کب کے پیدل چل پڑے تھے وہ سب کے سب ایک جلوس کی شکل میں شہر آ رہے تھے۔ آس پاس کے تمام گاؤں اور قصبوں کے لوگ تھے اور اس کے قصبہ کا تو بچہ بچہ چل پڑا تھا۔ وہ سب رات کے گیارہ بجے سے پیدل مارچ کرتے ہوئے چل پڑے تھے تاکہ وہ صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی شہر پہنچ جائیں۔

بچے جو کہ پیدل چل سکتے تھے پیدل چل رہے تھے اور جو زیادہ دور پیدل نہیں چل سکتے تھے انہیں ان کے رشتہ داروں، دوستوں اور اپنوں نے اپنی اپنی گودوں میں اٹھا لیا تھا۔ اپنے اپنے کندھوں پر بٹھا کر وہ لوگ انہیں لا رہے تھے۔

بنواری برجموہن کا باپ، اور برجموہن کی ماں وہیں شہر ہی میں تھے۔ وہ سرتیا کے مکان پر اس کے عظیم مہمان تھے۔

اور اس رات رات بھر یہ لوگ ایک پل کے لیے بھی نہیں سوئے تھے سرتیا، انتیا، بنواری اور برجموہن کی بوڑھی ماں اور سلمیٰ سب کے سب جاگ رہے تھے

وہ سب کے سب بیحد غمگین تھے بیحد افسردہ اور ملول اور وہ سب کے سب ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے دلاسے دے رہے تھے اور سہارے کی کوشش کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ خود تسلیوں دلاسوں اور سہاروں کے محتاج تھے۔ وہ سب ایک ہی کشتی کے سوار تھے ایک ایسی کشتی کے مسافر جو طوفان میں گھر گئی ہو اور جسے کنارہ ملنے کی لازمی طور پر کوئی آس امید نہ رہ گئی ہو۔ کوئی سہارا نہ مل رہا ہو جیسے رونے روتے انتیا کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور سربیا کے دل پر کوئی دھاتیا نہ قسم کے گھونسے لگا رہا تھا اور وہ بے موت مر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی دنیا تاریکیوں میں ڈوبی جا رہی تھی اور وہ بے بس تھی۔ مجبوراً اور لاچار تھی۔ وہ اپنی دنیا کو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی تھی کوئی صورت نہیں نظر آ رہی تھی اور کوئی ترکیب کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔"

سلیم کو بے حد دکھ تھا۔ اور بیواری کی آنکھوں کے سامنے کوئی اس کی زندگی بھر کی انمول کمائی کو جبراً لوٹے لے رہا تھا چھینے لے رہا تھا اس سے اور وہ مجبور تھا کوئی فریاد کوئی پکار اس کی اتنی انمول پونجی کو لٹنے سے نہیں بچا سکتی تھی۔ جیسے کہ وہ خود اپنے گھر کو جلا رہا ہو جیسے کہ خود اسی نے اپنی لہلہاتی ہوئی کھیتی کو نذر آتش کر دیا ہو اور ایک غریب ماں کو اپنے جوان بیٹے کی اس طے شدہ موت نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ نیم پاگل سی ہو گئی تھی اسے سکتہ ہو گیا تھا۔"

اور یہ جمو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں بڑے سکون اور بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسے اپنی اس اچانک موت پر جو کہ زبردستی اور جبراً اس پر نازل

کر دی جانے والی تھی ذرہ بھر بھی خوف نہیں تھا تعجب نہیں تھا اور افسوس نہیں تھا اس کے چہرے پر فکر غم اور تردد کی ایک شکن بھی نہیں تھی ۔

وہ بالکل بے خوف تھا اور بلا جھجک وہ اپنی موت کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھا ۔۔ البتہ اسے ایک بات کی فکر ضرور تھی اور ایک خیال ضرور تھا اس کے ذہن میں کہ اس کی موت کے بعد اس کے اور ساتھی اس قسم کی موت کا شکار نہیں یہ موت اس قسم کی آخری موت ہو اور اس موت کے بعد انقلابی قوتوں میں اتنی طاقت آجائے کہ وہ ایسی موت مرنے پر مجبور نہ ہوں وہ مریں اور آئندہ کے لیے اس قسم کی موتوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سد باب ہو جائے ۔۔"

قانون مجرموں کے چہروں پر سے نقاب اٹھا کر یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ جرم کی نوعیت کیا ہے اور آخر اس قسم کے جرم کیوں ہوتے ہیں ۔ اور یہ جرم آخر پیدا ہی کس بنا پر ہوا ۔۔

مرض کی وجہ دریافت کرنا اور پھر اس مرض کا علاج کرنا یقینی طور پر اس سے کہیں بہتر اور صحت مند فعل ہے کہ مریضوں کو زہر دے دیا جائے یا اسے گولی مار دی جائے ۔ اس نے سوچا ۔

کاش ۔! قانون اصلی مجرموں کے چہروں پر سے نقاب اٹھانے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے وہ یہ سوچے کہ جب کہ ہزاروں انسان موت اور زیست کی کشمکش میں پڑے دم توڑ رہے ہوں اور ایک درندہ صفت انسان اناج کے بوروں سے اپنے گودام بھرے بیٹھا ہو اور لاکھ کوشش کے بعد بڑی منتوں اور سماجتوں کے باوجود وہ غلہ قیمتاً بھی دینے پر راضی نہ ہو تو ایسی میں بھوکوں کا کیا فرض ہے اور وہ کیا کچھ نہ کر گذریں گے ۔

اگر موت سے لڑنا جرم نہیں ہے ۔ اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرنا جرم نہیں ہے اور اپنے معصوم بچوں کی مسکراہٹوں کا سلامتی بھی جرم نہیں ہے

تو پھر کیا جرم ؟ اور اس کی سزا کس بات کی۔۔

کس جرم کی سزا میں قانون فیصلے سناتا ہے۔ اور کس جرم کی پاداش میں ایسے فعل کرنے والوں کے لیے پھانسیاں نافذ کی جاتی ہیں۔

اس لمحے میں جب کہ زندگیوں کے موت کے منہ میں جانے کا خطرہ ہو کوئی انسان اسباب کا انتظار نہیں کر سکتا کہ نہ قانون اور حکومت کے فیصلوں کا انتظار کرے اس لیے کہ فیصلے وقت چاہتے ہیں اور موت اپنا لمحہ ایک بھی زندگی کو نہیں دیتی۔

ابھی صبح کے آثار بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور ابھی پو بھی نہیں پھٹی تھی کہ اس تنگ و تاریک کوٹھری کا دروازہ کھلا اور برجموہن نے دیکھا کہ وارڈ کے ہاتھ میں ایک لالٹین ہے ۔

اور اس لالٹین کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ اس کا باپ بنواری اور اس کی ماں دونوں اس کے سامنے کھڑے ہیں اور ان دونوں کے پیچھے سریتا بھی ہے اور انیتا بھی اور ساتھ میں لیڈی بیرسٹر سلمیٰ بھی آئی ہیں ۔

برجموہن کے چہرے پر ایک خاص قسم کی لہر پیدا ہوئی اور وارڈر لالٹین کوٹھری کے اندر رکھ کر چلا گیا اس نے جاتے ہوئے بڑی احتیاط سے کوٹھری کا دروازہ باہر سے مقفل کر دیا ۔

"بابو ۔"

چند لمحے کے سکوت کے بعد برجموہن اپنے باپ سے لپٹ گیا اور برجموہن کی ماں دیوانہ وار اپنے بیٹے کی بلائیں لینے لگی بالکل اس انداز میں جیسے کہ سچ مچ پاگل ہو گئی ہو۔ "بیٹھ جائیے ۔"

برجموہن بڑی ملائمت سے بولا ۔ اور وہ لوگ کوٹھری میں پڑی ہوئی ایک ٹوٹی کھاٹ پر ادھر ادھر ٹک گئے ۔"

بابو تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟

نہیں بیٹا ۔۔!"

بنواری اپنے ہونٹوں کو اور زور سے کاٹتے ہوئے بولا اس کی آنکھوں سے

زار زار قطار آنسو بہہ رہے تھے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا اس کی آواز اس کے رندھے ہوئے گلے میں اٹک گئی۔"

بس۔" برجموہن نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے وہ ضبط کی انتہائی کوشش کے درمیان بولا۔"

میں تم لوگوں سے شرمندہ ہوں۔" وہ سرتیا اور انیتا سے کہہ رہا تھا۔

میری وجہ سے تمہارے نازک اور رنج و غم سے دور رہنے والے دلوں کو کافی سے زیادہ صدمہ پہنچا ہے۔"

سرتیا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ پڑ رہا تھا۔ اور انیتا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔"

مجھے معلوم ہے تم لوگ بیحد محبت کرتی ہو اور موت کی آخری گھڑی میں بھی میں تم دونوں کے خلوص اور محبت کو یاد کرتا ہونگا۔ مگر میری موت کے بعد تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے دور ہوں میں تم سے دور نہیں رہ سکتا میری محبت تمہارے پاس ہے اور میری روح ہر وقت تمہارے نزدیک رہے گی میں تمہیں وہ محبت دے رہا ہوں جو محبت بے لوث اور لافانی ہے بھائی بہن کی محبت جس پر فرشتے رشک کرتے ہیں۔ اور پاکیزگی کی کوئی قسم جس کی عظمت کے اعتراف کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تم دونوں

اس نے ان دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر ان کے سر تسلی پہ ہاتھ رکھا۔

وعدہ کرو کہ میرے بعد اپنی زندگیوں کو مکمل بناؤ گی اور ایک عورت کی زندگی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب کہ وہ کسی مرد کی زندگی میں داخل ہو جائے اور ان دونوں کی محبتوں سے معصوم کنول کھل اٹھیں ایسے کنول جن کی لازوال خوشبو انسانیت کی سب سے بڑی معراج ہے۔" سرتیا رو رہی تھی اور انیتا کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے کہ برجموہن پھر بولا۔"

اور ہاں ایک بات اور کہونگا۔ انقلاب اور سچی آزادی کی اس جوت کو جو تمہارے دلوں میں روشن ہے تم کبھی بجھنے نہ دینا یہ جوت جو ایک عظیم زندگی کے حصول کی جدوجہد میں مشعل راہ کا کام دیتی ہے کبھی مدھم نہ ہونے پائے ورنہ انقلاب کے دوستوں میں تمہارے دلوں کی کمی میری آتما کو دکھ پہنچائے گی۔

اور پھر وہ اپنے ماں باپ کی طرف متوجہ ہوا۔

باپو — تم میری موت کا ذرا بھی دکھ نہ کرنا اور ماتا جی تم یہ سمجھنا کہ تمہارا بیٹا مرگیا ہے انقلاب اور سچی آزادی کی راہ پر چلنے والا سرفرزند تمہارا بیٹا ہے اور تم اس کی ماں ہو بھارت ماتا وہ ہزاروں بیٹے تمہارے بیٹے ہیں جو اپنی ان کی پوری آزادی کے لیے جنگ کر رہے ہیں اور وہ لاکھوں فرزند بھی تمہارے اپنے بیٹے ہیں جو آج ساری دنیا میں اس سچی آزادی کے لیے اپنے اپنے دشمنوں سے لڑ رہے ہیں جس میں کسی ملک وطن رنگ نسل قوم اور مذہب کی بنا پر نہیں ہوتی جو انسانوں کو لڑایا جائے جو ساری دنیا کے انسانوں کی خوشحالی کی خواہاں ہے۔

برجموہن کی ماں خاموش تھی بالکل گم سم کہ بنواری نے دوبارہ اسے زور سے بھینچ لیا۔

بیٹا — وہ بڑی بےقراری سے رو دیا۔

تم بہت سی باتیں کرتے ہو اور میں ان پڑھ گنوار ان بہت سی باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرے کلیجے میں ہوک اٹھتی ہے کوئی میرے دل کو چٹکیوں سے نوچتا ہے کوئی بار بار کہتا ہے مجھ سے کہ بنواری تو بے سہارا ہو گیا تیری لاٹھی ٹوٹ گئی اور تیرے لال کو ایک جانی پہچانی ہو—

بنواری موت کا لفظ اپنی زبان سے پورا نہ کرسکا۔ اس کی بیوی نے بڑے زور سے اس کا منہ دبا دیا — اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھنے

مجھ سے بڑبڑائی ۔"

موت ۔۔! کاہے کی موت ۔۔!! مریں میرے لال کے دشمن نرکھ میں جائیں برا چاہنے والے میرا لال کبھی نہیں مر سکتا ۔ کبھی نہیں مر سکتا میرا کلیجہ ۔"

اور پھر وہ اپنا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی ۔ سلمیٰ نے اسے بڑھ کر سہارا دیا

تقریباً چالیس پچاس ہزار انسانوں کا مجمع جیل کے باہر کھڑا نعرے لگا رہا تھا اور شہر کی پولیس اہنس دستے کھڑی تھی فوج کا ایک دستہ بھی حفاظت کے خیال سے بلا لیا گیا تھا ۔

حکام نے کسی آنے والے خطرے کے پیش نظر یہ طے کیا کہ برجموہن کو یہاں پھانسی نہ دینی چاہیے لہٰذا ٹھیک سوا پانچ بجے جب کہ ابھی کائنات پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جیل کے پچھلے دروازے پر ایک بند کار آکر رکی اور بڑی احتیاط سے چوروں کی طرح برجموہن کو لیکر کسی نامعلوم سمت کو روانہ ہو گئی ۔

جیل کے باہر ہجوم اسی طرح نعرے لگاتا رہا اور پولیس اور فوج اسی طرح جیسے گھیرے ہوئے کھڑی رہی ۔۔

سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا اور گھڑی کی سوئیاں ٹھیک پانچ بجکر چھپن منٹ بجا رہی تھیں کہ آٹھ مسلح سپاہیوں کے گھیرے میں برجموہن کو پھانسی کے تختے کی طرف لیجایا گیا۔

اور وہ اپنے چہرے پر عزم اور استقلال کی چمک لئے ہوئے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ صبح کی پر نور روشنی اس کے تابناک اور باوقار چہرے کی بلائیں لے رہی تھی اور نسیم سحری کے تر و تازہ جھونکے اس کی روح میں طمانیت بھر رہے تھے۔

اور وہ سوچ رہا تھا۔

آج اپنے لیے ہی جی نہ سکا تو کیا غم
زندگی سب کے لیے کل سے مہیا ہوگی!
زندگی پیکر فانی کو نہیں کہتے ہیں
زندگی حسرت جوانی کو نہیں کہتے ہیں
زندگی نام ہے سیلاب کا طوفان کا
زندگی نام ہے مزدور کا دہقاں کا
زندگی نام ہے اس لال نشاں کا اے دوست!

(حنیف آزاد)

اس کا سینہ خوشی سے پھول گیا اور اس کے چہرے پر خون کی سرخی دوڑ گئی
اور جس وقت وہ پھانسی کے پھندے کے سامنے چبوترے پر جا کر رکا تو اس
وقت درختوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور سورج کی نرم و نازک کرنوں نے فضاؤں
میں تابندگی سمو دی تھی۔

پورا مشرق سرخ ہو گیا تھا اور تابناک ستارے انہیں سرخ روشنیوں میں
ڈوب گئے تھے۔ نیچر نے پورے ماحول کو سرخ چادر سے ڈھانپ دیا تھا

عادل رشید